Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبد السلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............... 25 روپے

سالانہ................ 300 روپے

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ..........عدلیہ کی بے کسی..........مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۴۹، آیت نمبر ۶۷ تا ۷۳)..بنی اسرائیل کی حیل وحجت اور معاندانہ سوالات.. // // ۴

درسِ حدیث..........نماز کے فضائل.......... // // ۱۲

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

عدالتی وکیلوں کے لئے اسلامی ہدایات وآداب..........مفتی محمد رضوان ۲۷

حج اخراجات کو کمائی کا ذریعہ سمجھ کر مشکل نہ بنائیں.......... // // ۳۰

ادارہ غفران میں اجتماعی قربانی..........ادارہ ۳۱

ماہِ شوال: چوتھی نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات..........مولوی طارق محمود ۳۳

کیا عید کے چاند کا اعلان درست تھا؟..........مفتی محمد رضوان ۳۶

اسلام کے فوجداری قانون کی آفاقیت (دوسری وآخری قسط)..........مفتی محمد امجد حسین ۴۰

نمازی کے کپڑوں اور نماز پڑھنے کی جگہ کی طہارت.......... // // ۵۳

سفر اور سواری کے آداب..........مفتی محمد رضوان ۵۶

رمضانُ المبارک کا مقصد اور اس کی رحمتوں سے محروم لوگ (قسط ۲)......**اصلاحی مجلس**: حضرت نواب محمد عشرت علی خان صاحب ۶۲

علماء کے وارثِ انبیاء ہونے کا تقاضا (**بسلسلہ: اصلاحُ العلماء والمدارس**)..........مفتی محمد رضوان ۶۵

علم کے مینار..........سرگذشت عہدِ گُل (قسط ۱۳)..........مولانا محمد امجد حسین ۶۶

تذکرۂ اولیاء:.......حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمہ اللہ.......امتیاز احمد ۷۴

پیارے بچو!.......بچوں کے بڑے ہونے کی عمر کیا ہے؟..........حافظ محمد ناصر ۷۶

بزمِ خواتین....پردے کی اہمیت اور اس کے چند ضروری احکام (قسط ۲).....مفتی ابوشعیب ۷۹

آپ کے دینی مسائل کا حل.......فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنا افضل ہے.......ادارہ ۸۱

کیا آپ جانتے ہیں؟..........سوالات وجوابات..........ترتیب: مفتی محمد یونس ۸۶

عبرت کدہ..........حضرت اسماعیل علیہ السلام (قسط ۱۰)..........ابوجویریہ ۹۰

طب وصحت....بعض معمولی امراض بعض خطرناک امراض کا پیش خیمہ ہوتے ہیں.........حکیم کلیم اختر مرزا ۹۳

اخبارِ ادارہ..........ادارہ کے شب وروز..........مولانا محمد امجد حسین ۹۴

اخبارِ عالم.........قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں..........ابرار حسین ستی ۹۶

Some Social Etiquette..........مولانا ابراہیم سالیجی ۹۹

Idara Ghufran

اداریہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مفتی محمد رضوان

عدلیہ کی بے کسی

عدلیہ کی آزادی کسی بھی ملک کی ترقی اور کامیابی میں اہم کردار کی مالک ہوا کرتی ہے، کیونکہ ملک کے بڑے اداروں میں یہی ادارہ ہے جسے مجرموں کی تعیین اور سزا جاری کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، خواہ اس مجرم کا تعلق ملک کے کسی بھی بڑے سے بڑے عہدہ سے کیوں نہ ہو۔

جن ممالک میں عدلیہ آزادی کے ساتھ کام کرتی ہے ان ممالک میں فوج وسیاست سمیت عام معاشرہ میں بھی کارکردگی بہتر دکھائی دیتی ہے۔

لیکن جن ممالک میں عدلیہ کو آزادی حاصل نہیں ہوتی ان میں جرائم کی کثرت اور بے راہ روی کا دور دورہ دکھائی دیتا ہے، بدقسمتی سے ہمارے ملک میں بھی عدلیہ کو وہ آزادی حاصل نہیں، جو ہونی چاہئے تھی، چنانچہ سیاسی اتار چڑھاؤ کے ساتھ عدلیہ کے فیصلوں میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے، ایک شخص اگر اقتدار سے باہر رہتے ہوئے قوم کا اجتماعی مجرم شمار ہوتا ہے، تو اقتدار میں آنے کے بعد وہ ملک کے سیاہ سفید کا مالک بن بیٹھتا ہے، اور عدلیہ کی طرف سے اس کو پاک وصاف بنا کر پیش کرنے اور اس کے اوپر عائد مقدمات ختم کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں عدلیہ کی آزادی کو سلب کرنے کے مختلف واقعات رونما ہوتے رہے ہیں، جن میں سے ایک تازہ واقعہ ماضی میں پرویز مشرف صاحب کے دورِ صدارت میں چیف جسٹس سمیت ملک بھر کے متعدد ججوں کو برطرف کرنے کی صورت میں رونما ہوا، جس کے ردِعمل میں عوام کے ایک طبقہ نے جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا، یہ سلسلہ چلتا رہا کہ اس دوران نو منتخب حکومت آ گئی، جس کے بعد عدلیہ کی آزادی کے بارے میں عوام کی امیدیں زیادہ وابستہ ہو گئیں، لیکن پرویز مشرف صاحب کے مستعفی ہونے کے باوجود عدلیہ کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہو سکی، اور عدلیہ بدستور بیکسی کا شکار محسوس ہو رہی ہے جس کی وجہ سے جرائم میں روز بروز اضافہ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو دیانت دار، خدا ترس اور حق پرستی پر مبنی فیصلے کرنے والی قیادت عطا فرمائیں۔ آمین۔

Idara Ghufran

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۴۹، آیت نمبر ۶۷ تا ۷۳) مفتی محمد رضوان

بنی اسرائیل کی حیل وحجت اور معاندانہ سوالات

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً. قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا. قَالَ اَعُوْذُبِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ(۶۷) قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ. قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِکْرٌ . عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ. فَافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ(۶۸) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَالَوْنُھَا. قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ (۶۹) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا . وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَمُھْتَدُوْنَ (۷۰) قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ . مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا . قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ . فَذَبَحُوْھَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ (۷۱) وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْھَا. وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (۷۲) فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِھَا . کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی . وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (۷۳)

ترجمہ: اور جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک گائے ذبح کرو، انہوں نے (اس کے جواب میں) کہا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو (حضرت) موسیٰ نے (جواب میں) فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں (۶۷) انہوں نے (حضرت موسیٰ کے جواب میں) کہا کہ آپ درخواست کیجیے، ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا وہ گائے ایسی ہو کہ نہ بوڑھی ہو، نہ بہت بچہ ہو، بلکہ ان دونوں کے درمیان (یعنی جوان) ہو، تو اب اس کو پورا کرو، جو تمہیں حکم ملا ہے (۶۸) انہوں نے کہا کہ آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ بیان کریں ہمارے لیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہو، جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے (۶۹) انہوں نے (حضرت موسیٰ کے جواب

Idara Ghufran

میں) کہا کہ آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ اس (گائے) کے اوصاف کیا کیا ہوں؟ کیونکہ یہ گائے (ابھی تک) ہم پر مشتبہ ہے، اور ہم (اس مرتبہ) ان شاءاللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے (۷۰) (حضرت موسیٰ نے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ تو ہل میں چلی ہوئی ہو، جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کھیتی کو پانی دیا جائے، سالم ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سُن کر) ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ نے حق (یعنی پوری اور سچ) بات فرمائی، پس ان لوگوں نے اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ وہ ذبح کرنے والے نہیں تھے (۷۱) اور جب تم نے قتل کر دیا ایک شخص کو، پھر ایک دوسرے پر ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا تھا اُسے جس کو تم چھپاتے تھے (۷۲) پھر ہم نے کہا کہ مارو اس مُردے کو (ذبح شُدہ) گائے کے بعض حصے کے ساتھ۔ اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مُردوں کو، اور (اللہ تعالیٰ) تم کو دِکھاتا ہے نمونے (اپنی قدرت کے) تاکہ تم عقل سے کام لو (۷۳)

تفسیر وتشریح

ان آیات میں بقرۃ کے ذبح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، بقرہ عربی زبان میں ''گائے اور بیل'' یعنی نر ومادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور بعض اوقات ''بقرہ'' بول کر نر ومادہ کی قید کے بغیر عام جنس مراد لی جاتی ہے۔ [۱]

اس قصہ کا پسِ منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے اندر ایک خون ہوگیا تھا، لیکن قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ چلے کہ کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا، تاکہ وہ اسے ذبح کر کے اس کا گوشت مقتول کے جسم کے ساتھ لگائیں، جس سے وہ مقتول بطور معجزہ تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتلا دے گا۔

بنی اسرائیل کٹ حجتی کے عادی تھے ہی، اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں حجتیں نکالنا شروع کر دیں، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حکم میں سختی کی گئی (معارف القرآن عثمانی، بتغیر)

---

[۱] اوراسی لئے بعض حضرات نے بقرہ کا ترجمہ گائے کے ساتھ کیا ہے، اور مراد ان کی اسمِ جنس ہے، جبکہ کچھ حضرات نے ترجمہ بیل کے ساتھ کیا ہے، ان حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں اس بقرہ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ نہ تو ہل جوتنے میں استعمال کیا گیا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دینے میں استعمال کیا گیا ہو اور یہ کام عام طور سے بیل سے لیا جاتا ہے۔

البقرۃ ھی الانثی من البقر یقال: ھی مأخوذۃ من البقر وھو الشق، سمیت بہ لأنھا تشق الارض للحراثۃ (تفسیر البغوی)

Idara Ghufran

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی کچھ تفصیل بیان کرکے بنی اسرائیل کی کٹ حجتی اور معاندانہ سوالات کا ایک نقشہ کھینچا ہے۔ [1]

اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی نازل ہوئی کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً.

بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔

اور پھر اُس کے گوشت کا ایک حصہ مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

قاتل کا نام معلوم ہونے کا یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ بنی اسرائیل کی طرف سے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے، کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام وحی کے ذریعہ سے اس کا نام بتلادیتے تو ممکن تھا کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کا یقین نہ کرتے اور کفر میں مبتلا ہوتے، اور مُردہ کے زندہ ہوکر خبر دینے کا واقعہ ایسا عجیب واقعہ تھا جس کے جھٹلانے کی اُن کے لیے گنجائش نہ تھی۔

مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گائے کے ذبح کے حکم میں بغیر کسی قید کے عام (یعنی بطور نکرہ) ''بقرۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے صاف ظاہر تھا کہ کسی خاص صفت کی گائے کی تعیین مقصود نہیں تھی، بلکہ حکم کی تعمیل مقصود تھی؛ اگر کسی خاص قسم کی گائے کی تخصیص اور تعیین مطلوب ہوتی تو الف لام کے ساتھ ''البقرۃ'' کے الفاظ سے حکم آتا (معارف القرآن ادریسی، بتغیر)

لیکن بنی اسرائیل نے بار بار سوالات کیے، کہ وہ کیسی گائے ہے؟ اُس کا رنگ کیسا ہے؟ اُس کی عمر کیا ہے؟

---

[1] یہ مقتول کون تھا؟ اور اس کا قتل کیوں ہوا تھا، اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے مقتول کی کسی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی، مگر باپ نے انکار کردیا تھا، جس کے نتیجے میں اُس شخص نے لڑکی کے والد کو قتل کردیا تھا (معارف القرآن عثمانی، بتغیر)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا، اس کے بھتیجے کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا، ایک عرصہ تک اس کا بھتیجا اپنے چچا کے فوت ہونے کا منتظر رہا، تاکہ اس کے فوت ہونے کے بعد چچا کے مال کا وارث بنے، جب ایک عرصہ گزر گیا اور اس کا چچا فوت نہ ہوا، تو بھتیجے نے ایک دن موقعہ پاکر اُسے قتل کردیا، اور رات کے وقت اس کی نعش کو محلّہ میں ڈال دیا، اور جب صبح ہوئی تو محلّہ والوں پر اس کے خون کا دعویٰ بھی کردیا، تاکہ دستور کے مطابق میراث کے علاوہ محلّہ والوں سے مقتول چچا کی دیت اور خون بہا بھی وصول کرے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محلّہ والوں سے مقتول کے بارے میں تحقیق اور باز پُرس کی تو محلّہ والوں نے اس قتل کو ایک دوسرے پر ڈالنا شروع کردیا اور قسم کھا کر بیان کیا کہ نہ تو ہم نے قتل کیا اور نہ ہمیں قاتل کا پتہ ہے، اور آپ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کیجیے تاکہ اس معاملہ کی حقیقت واضح ہو، اور قاتل کا پتہ چلے (معارف القرآن ادریسی، بتغیر)

وغیرہ وغیرہ۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے لیے سختی کی گئی۔

بنی اسرائیل نے مقتول کے اس طرح زندہ ہونے اور قاتل کا نام بتانے کو ایک عجیب بات سمجھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا. کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق (وتمسخر) کرتے ہو۔

بھلا گائے کے ذبح کرنے اور قاتل کے معلوم ہونے میں کیا مناسبت ہے؟ ہم آپ سے قاتل کا پتہ معلوم کرتے ہیں اور آپ گائے ذبح کرنے کا حکم دیتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کو تو ذبح شُدہ جانور کے گوشت کا ٹکڑا لگائے بغیر بھی زندہ کرنے پر قدرت تھی، یا مقتول کو زندہ کیے بغیر بھی اور کسی طریقہ پر قاتل کا نام بتایا جاسکتا تھا؛ پھر جانور ذبح کرنے اور اس سارے سامان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ.

میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

مطلب یہ تھا کہ سوال کے مطابق جواب نہ دینا اور اوپر سے استہزاء وتمسخر کرنا، یہ جاہلوں کا کام ہے؛ نعوذ باللہ انبیائے کرام کا کام نہیں، اور اگرچہ تمہیں قاتل کا پتہ چلنے اور گائے ذبح کرنے کے اس عمل میں کوئی تعلق اور جوڑ نظر نہ آ رہا ہو، لیکن یہ اللہ کا حکم ہے، جس کے اصل راز کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی کام ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے تو ہوتا نہیں، بلکہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت ہوتا ہے، اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں آ سکتی ہے، ہم اس کے مکلّف نہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آ جائے، اللہ تعالیٰ کی تکوین وتشریع میں جو حکمتیں ہیں، ان میں سے بہت سی انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں، اس لیے ایسی حکمتوں کے پیچھے پڑ کر اپنی قیمتی عمر ضائع کرنے کے بجائے بہتر طریقہ خاموشی کے ساتھ تسلیم وعمل کر لینے کا ہے (معارف القرآن عثمانی، بتغیر)

جب بنی اسرائیل کو معلوم ہو چکا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، تو انہوں نے اس حکم سے جان چھڑانے کے لیے کٹ حجتی کرنی شروع کی۔ پہلے تو یہ کہا:

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ.

آپ درخواست کیجیے، ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ وہ گائے کیسی ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے جواب میں فرمایا:

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ . عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ.

وہ گائے ایسی ہے کہ نہ بوڑھی ہو، نہ بچہ ہو، بلکہ ان دونوں کے درمیان (یعنی جوان) ہو۔

مطلب یہ تھا کہ وہ گائے بوڑھی بھی نہ ہو، اور بالکل کم عمر بچھڑا بھی نہ ہو، بلکہ ان دونوں کی درمیانی عمر کا ہو۔

اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

فَافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ. جو تمہیں حکم ملا ہے، اب اس کو پورا کرو۔

یعنی اب اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کرنے میں لیت ولعل اور حیل وحجت سے کام نہ لو، بلکہ جلد از جلد اس حکم کی تعمیل کرو۔

مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا، اور کہا کہ ہماری سمجھ میں پوری طرح بات نہیں آئی، لہٰذا:

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَالَوْنُهَا.

آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ بیان کریں ہمارے لیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟

جس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ:

اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ.

وہ زرد رنگ کی گائے ہو، جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔

مگر بنی اسرائیل کو اس پر بھی تشفی نہیں ہوئی اور پھر سوال کیا:

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا . وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ.

آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ اس (گائے) کے اوصاف کیا کیا ہوں؟ کیونکہ یہ گائے (ابھی تک) ہم پر مشتبہ ہے، اور ہم (اس مرتبہ) ان شاء اللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے۔

جس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ . مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا.

وہ ایسی گائے ہو کہ نہ تو ہل میں چلی ہوئی ہو، جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کھیتی کو پانی دیا جائے، سالم ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو۔

مطلب یہ تھا کہ وہ گائے زمین کو جوتنے اور کھیتی کو پانی دینے کے لیے کام اور محنت میں استعمال نہ کی گئی ہو، اور اُس میں تیز زرد رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کا نشان اور داغ نہ ہو،اور جسمانی طور پر صحیح سالم اور بے عیب ہو مثلاً لنگڑی، کانی، اندھی وغیرہ نہ ہو(تفسیر انوار البیان بتغیر)

حدیث شریف میں ہے کہ اگر بنی اسرائیل آخری مرتبہ ان شاءاللہ نہ کہتے تو اُنہیں کبھی پتہ نہ چلتا، یعنی اس کلمہ کی برکت سے ان کا تردُّد اور تذبذب دُور ہوا۔

نیز اگر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد چوں چرا کیے بغیر کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا، لیکن اُن کے فضول سوالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس گائے کے بارے میں قیود آئیں، اور معاملہ سختی کی طرف چلا گیا (معارف القرآن ادریسی، بتغیر) [۱]

اور حضور ﷺ نے بھی بلاضرورت سوالات کرنے کو پسند نہیں فرمایا، اور اس سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، اس پر ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ حضور ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی، یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا، جس پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں تمہارے سوال کے جواب میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج فرض کر دیا جاتا، اور پھر تم مشکل میں پڑ جاتے، اور پھر اس کے بعد حضور ﷺ نے اس قسم کے غیر ضروری سوالات کرنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم سے پہلی امت کے لوگ اس طرح کے سوالات کی کثرت اور اپنے نبیوں کے ساتھ اختلاف سے ہلاک ہو گئے تھے۔ [۲]

---

[۱] عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ :لولا ان بنی اسرائيل استثنوا فقالوا وانا ان شاء الله لمهتدون مااعطوا ولكن استثنوا (تفسير ابن ابی حاتم حديث نمبر ٧١٧)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لولا ان بنی اسرائيل قالو وانا ان شاء الله لمهتدون مااعطوا ابدا، ولو انهم اعترضوا بقرة من البقره فذبحوا لأجزأت عنهم ، ولكنهم شددوا ، فشدد الله عليهم (تفسير ابنِ كثير تحت آيت ٧٠من سورة البقرة)

قال ابن كثير:

وهذا حديث غريب من هذاالوجه ، واحسن احواله ان يكون من كلام ابی هريرة، كما تقدم مثله عن السدی، والله اعلم (تفسير ابنِ كثير تحت آيت ٧٠من سورة البقرة)

[۲] عن ابی هريرة قال خطب رسول الله ﷺ الناس فقال ان الله عزوجل قد فرض عليكم الحج فقال رجل فی كل عام فسكت عنه حتی اعاده ثلاثا فقال لو قلت نعم لوجبت ولو وجبت ماقمتم بها ذرونی ماتركتكم فانما هلک من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم علی انبيائهم فاذا امرتكم بالشيئ فخذوا به مااستطعتم واذا نهيتكم عن شيئ فاجتنبوه (سنن النسائی حديث نمبر ٢٥٧٢، باب وجوب الحج) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس گائے کی مزید صفات بیان کردیں، اور کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، تو پھر بنی اسرائیل نے کہا کہ:

قَالُوْا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ.

ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ نے حق (یعنی پوری اور سچ) بات فرمائی،

بنی اسرائیل کا یہ جملہ بھی گستاخانہ اور بے باکانہ تھا، کیونکہ حق وسچ اور ٹھیک ٹھیک بات تو ان کو پہلی مرتبہ ہی بتلادی گئی تھی، بہرحال ساری حیل وحجتیں کرنے کے بعد بالآخر انہوں نے گائے کو ذبح کردیا، اس کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ.

پس ان لوگوں نے اس کو ذبح کردیا، حالانکہ وہ ذبح کرنے والے نہیں تھے

یعنی اُنہوں نے مجبور اور لاچار ہوکر گائے کو ذبح کیا، ورنہ وہ ذبح کرنے والے نہ تھے۔

منقول ہے کہ اتنی صفات والی گائے اُنہیں بہت مشکل سے اور انتہائی مہنگی قیمت پر دستیاب ہوئی۔ ۱

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا.

اور جب تم نے قتل کردیا ایک شخص کو، پھر ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔

اس آیت میں جو مضمون ذکر کیا گیا ہے، وہ مذکورہ قصہ کا ابتدائی حصہ ہے، لیکن ابتدائی حصے کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی انہوں نے فوراً اطاعت نہیں کی، اور اُس میں معاندانہ حجتیں نکالنے لگے؛ ایک صریح اور واضح حکم سُن لینے کے بعد اس قسم کے گستاخانہ اور معاندانہ

﴿گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ﴾ وفی حاشية السندی علی النسائی:

(لوقلت نعم لوجبت الخ) ای لوجب الحج کل عام وهذا بظاهره یقتضی ان امر افتراض الحج کل عام کان مفوضا الیه حتی لو قال نعم لحصل ولیس بمستبعد اذ یجوز ان یأمر الله تعالیٰ بالاطلاق ویفوض امر التقیید الی الذی فوض الیه البیان فهو ان اراد ان یبقیه علی الاطلاق یبقیه علیه وان اراد ان یقیده بکل عام یقیده به ثم فیه اشارة الی کراهة السؤال فی النصوص المطلقة والتفتیش عن قیودها بل ینبغی العمل باطلاقها حتی یظهر فیها قید وقد جاء القرآن موافقا لهذه الکراهة (ذرونی) ای اترکونی من السؤال عن القیود فی المطلقات (ماترکتکم) عن التکلیف فی القیود فیها لیس المراد لاتطلبوا منی العلم مادام لاابین لکم بنفسی (حاشية السندی علی النسائی تحت حدیث رقم ۲۵۷۲، باب وجوب الحج)

۱ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس بہت مشکل سے ان صفات کی گائے ملی، اور اس گائے کے دس گنا وزن کے برابر سونے پر لین دین کا معاملہ ہوا۔

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گائے کی کھال دیناروں سے بھر کر قیمت ادا کرنے پر سودا طے ہوا (کذا فی تفسیر انوار البیان)

سوالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دِلوں میں وحی کی کوئی عظمت اور وقعت نہیں تھی، جس کی وجہ دِلوں میں سختی پیدا ہو جاتی تھی، جو کہ شدید تباہی اور بربادی کا باعث ہے، اور اس بیماری کا ذکر اگلی آیات میں کیا گیا ہے (معارف القرآن ادریسی، بتغیر)

جب گائے کو ذبح کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا .

پھر ہم نے کہا کہ مارو اس مُردے کو (ذبح شُدہ) گائے کے بعض حصے کے ساتھ۔

جب مُردہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا کہ ذبح شُدہ گوشت کا ایک ٹکڑا اس کے جسم کے ساتھ لگایا گیا تو اُس نے بطور معجزہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتایا اور پھر فوراً ہی مَر گیا۔

اس جگہ صرف مقتول کا بیان اس لیے کافی سمجھا گیا کہ وہ مُردہ عالمِ برزخ کو دیکھ چکا تھا، لہٰذا اُس کی بات میں جھوٹ کا احتمال نہیں رہا تھا، نہ ہی وہم اور بھول کا اندیشہ تھا، کیونکہ درحقیقت مُردہ کا زندہ ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، اور معجزہ میں ان غلطیوں کا احتمال نہیں ہوا کرتا؛ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مقتول سچ بولے گا، ورنہ صرف مقتول کے بیان سے بغیر شرعی شہادت اور گواہی کے کسی پر قتل کا ثبوت کافی نہیں ہوتا (معارفین، بتغیر)

جب اللہ تعالیٰ نے مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ زندہ آنکھوں سے دکھلا دیا تو پھر فرمایا:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى . وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مُردوں کو، اور (اللہ تعالیٰ) تم کو دِکھاتا ہے نمونے (اپنی قدرت کے) تاکہ تم عقل سے کام لو۔

موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب کتاب کے لئے قیامت کے دن اٹھایا جانا قرآن حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا انکار کرنے والوں کو قرآن مجید میں مختلف طریقوں سے جواب دیا ہے، اور بعض دفعہ مُردوں کو زندہ کر کے بھی دکھلا دیا، جیسا کہ اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔

بہرحال جو لوگ اپنی عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں، ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی کافی ہو جاتا ہے، اور جو تھوڑا بہت شبہ رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں معلوم ہونے سے دور ہو جاتا ہے (تفسیر انوار البیان بتغیر)

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

نماز کے فضائل

اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اور نماز ایمان کے بعد سب سے پہلا رُکن ہے، اور اس کے بہت عظیمُ الشان فضائل وفوائد ہیں، جن میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری ومسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے سب سے اول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا (یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان المبارک کا روزہ رکھنا (ترجمہ ختم)

یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اصول اور اہم ارکان ہیں حضور ﷺ نے اس حدیث میں بطور مثال کے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے پس کلمۂ شہادت خیمہ کے درمیانی ستون کی طرح ہے، اور بقیہ چاروں ارکان ان چار ستونوں کی طرح ہیں جو چاروں کونوں پر ہوں، اگر درمیانی ستون نہ ہو، تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی نہ ہو تو خیمہ قائم تو ہو جائے گا، لیکن جس کونے کی لکڑی نہیں ہوگی وہ حصہ ناقص اور گرا ہوا ہوگا، حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد اب ہم لوگوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے کہ اسلام کے اس خیمہ کو ہم نے کس درجہ تک قائم کر رکھا ہے اور اسلام کا کونسا رکن ایسا ہے، جس کو ہم نے پورے طور پر سنبھال رکھا ہے، اسلام کے یہ پانچوں ارکان نہایت اہم ہیں، کیونکہ اسلام کی بنیاد انہیں کو قرار دیا گیا ہے، اور ہر مسلمان کے لئے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان سب کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔

Idara Ghufran

ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے۔

اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے مقدم عمل نماز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، جیسا کہ یہ مضمون کئی حدیثوں میں آیا ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال میں سب سے بہتر اور افضل عمل نماز ہے۔

ایک لمبی حدیث میں حضور ﷺ کا نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

اَلصَّلاۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ (مسند احمد ،حاکم ،معجم کبیر طبرانی ،مسند بزاز)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اعمال بندوں کے لئے) مقرر کیے گئے ہیں اُن میں نماز بہترین عمل ہے (ترجمہ ختم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا أَنَّ خَیْرَ أَعْمَالِکُمُ الصَّلاۃُ وَلاَ یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ (ابنِ ماجه، حدیث نمبر ۲۷۳، المحافظة علی الوضوء، ومسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۳۴۴ و ۲۱۴۰۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ استقامت کو لازم پکڑ لو، اور تم ہرگز استقامت کو شمار نہیں کر سکتے اور یہ بات جان لو کہ تمہارے نیک اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے، اور وضو کی حفاظت سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں کرتا (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا أَنَّ مِنْ اَفْضَلِ أَعْمَالِکُمُ الصَّلاۃُ وَلاَ یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ (ابنِ ماجه، حدیث نمبر ۲۷۴، المحافظة علی الوضوء، والمعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۶۱۴۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ استقامت کو لازم پکڑ لو، اور تم ہرگز استقامت کو شمار نہیں کر سکتے اور یہ بات جان لو کہ تمہارے نیک اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، اور وضو کی حفاظت سوائے مؤمن کے اور کوئی نہیں کرتا (ترجمہ ختم)

اس روایت اور اس سے پہلی روایت میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی روایت میں نماز کو بہترین عمل قرار دیا

گیا ہے، اور اِس روایت میں نماز کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

بہرحال نماز نیک اعمال میں جس طرح بہترین عمل ہے، اسی طرح افضل ترین عمل بھی ہے۔

یہ جو فرمایا گیا کہ استقامت کو لازم پکڑلو، استقامت سیدھے طریقے کو کہا جاتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اور شرعی حدود کی رعایت کرنے اور غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پورے کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقوں پر چلتے رہنے کا نام ہے جو کہ کرامت سے بھی اعلیٰ وافضل عمل ہے۔

پھر اس کے بعد جو یہ فرمایا گیا کہ تم ہرگز استقامت کو شمار نہیں کر سکتے: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اُس کا ثواب بہت زیادہ ہے، تم اس کے ثواب کو شمار میں نہیں لا سکتے۔

اور دوسرا مطلب محدثین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کامل استقامت پر عمل تو بہت مشکل کام ہے، البتہ نماز کا عمل ایسا ہے کہ جس کو اختیار کر کے استقامت کو پایا جاسکتا ہے، کیونکہ نماز ایسی جامع عبادت ہے کہ جس میں دوسری عبادتوں کی شانیں جمع ہیں، اور اسی وجہ سے نماز تمام عبادتوں کی ماں شمار کی گئی ہے؛ لہٰذا نماز جو استقامت کا اہم عمل ہے، اُس کو اُس کے تمام لوازمات سمیت لازم پکڑلو، اور نماز کی جو اہم شرط وضو ہے، اُس کو تو بطورِ خاص اپنے عمل کا حصہ بنالو۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَجُلاً سَالَ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَیْنِ، ثُمَّ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ (بخاری، کتاب التوحید، وسمی النبی ﷺ الصلاۃ عملا)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ کون سے اعمال سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے وقت پر نماز پڑھنا، اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا، پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں نماز کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب ترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَالْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللهِ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِهَا، قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ، قَالَ ثُمَّ اَیٌّ، قَالَ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ (بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل

کونسا ہے، ارشاد فرمایا کہ نماز، میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کیا ہے ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا ہے، ارشاد فرمایا جہاد (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے:

قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَقْرَبُ إِلَى الْجَنَّةِ، قَالَ اَلصَّلٰوةُ عَلٰى مَوَاقِيْتِهَا، قُلْتُ: وَمَا ذَا يَانَبِيَّ اللهِ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللهِ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (مسلم، حديث نمبر ۱۲۱، بيان كون الايمان بالله تعالىٰ افضل الاعمال)

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کون سے اعمال جنت کے زیادہ قریب کرنے والے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے اوقات پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی اس کے بعد کون سا عمل ہے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد اور رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ کرام سے سنا، انہوں نے فرمایا:

كان رجلان اخوان فى عهد رسول الله ﷺ وكان احدهما افضل من الآخر فتوفى الذى هو افضلهما ثم عُمِّر الآخر بعده اربعين ليلة ثم توفى فذكر لرسول الله ﷺ فضل الاول على الآخر فقال الم يكن يصلى فقالوا بلى يارسول الله فكان لابأس به فقال مايدريكم ماذا بلغت به صلاته ثم قال عند ذالك انما مثل الصلوات كمثل نهر جار بباب رجل غمر عذب يقتحم فيه كل يوم خمس مرات فما ترون يبقى ذالك من درنه (مسند احمد حديث نمبر ۱۴۵۲ وقال الهيثمى: ورجال احمد رجال الصحيح :مجمع الزوائد، باب فضل الصلاة وحقنها للدم)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، اور ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ نیک عمل میں فضیلت والا تھا، ان میں سے جو فضیلت والا تھا فوت ہوگیا، پھر دوسرے بھائی نے چالیس راتوں کی مزید عمر پائی اور پھر وہ فوت ہوا، پس لوگوں کی طرف سے پہلے فوت شدہ

بھائی کا دوسرے بھائی پر فضیلت والا نے کا تذکرہ ہوا، اس پر، حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کیا دوسرے بھائی نماز نہیں پڑھتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا بے شک، مگر معمولی درجہ میں (یعنی دوسرے بھائی اتنے زیادہ نیک صالح نہ تھے، البتہ نماز پڑھتے تھے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ ان چالیس دن کی نمازوں نے ان کو کس درجے تک پہنچا دیا ہے؟ پھر اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کی مثال ایک گہری، میٹھی نہر کیطرح ہے جو کسی شخص کے دروازہ پر جاری ہو، اور وہ شخص ہر روز پانچ مرتبہ اس میں نہاتا ہو تو اس کے بدن پر کیا میل رہ سکتا ہے؟ (ترجمہ ختم)

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد نماز دوسرے اعمال میں سب سے مقدم اور اہم عمل ہے، اور اسی طرح سب سے بہترین عمل بھی ہے، اور افضل ترین عمل بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین عمل بھی ہے؛ یہ تمام صفات نماز میں جمع ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَمْ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی عِبَادِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ؟ قَالَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ، قَالَ هَلْ قَبْلَهُنَّ اَوْ بَعْدَهُنَّ شَیْئٌ؟ قَالَ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی عِبَادِہٖ صَلَوَاتٍ خَمْسًا، فَحَلَفَ الرَّجُلُ بِاللّٰہِ لَا یَزِیْدُ عَلَیْهِنَّ وَلَا یَنْقُصُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنْ صَدَقَ دَخَلَ الْجَنَّةَ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حدیث نمبر ۲۸۷۰، سنن الدار قطنی، حدیث نمبر ۸۹۷، صحیح ابنِ حبان، حدیث نمبر ۱۴۶۸)

ترجمہ: ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض فرمائی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ پانچ نمازیں۔

اُس شخص نے عرض کیا کہ کیا اِن (پانچ نمازوں) سے پہلے یا بعد میں بھی کوئی چیز (فرض) ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نمازیں پانچ ہی فرض فرمائی ہیں (یہ سُن کر) اُس شخص نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ اُن پر کوئی چیز نہ تو زیادہ کرے گا اور نہ کم (یعنی جس طرح شریعت کی طرف سے یہ پانچ نمازیں ملی ہیں، اُن پر ٹھیک اُسی طریقے سے کمی زیادتی کے بغیر عمل کروں گا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے سچ کہا تو یہ

جنت میں داخل ہوگا (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے پانچ نمازوں پر جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے، جس سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنالشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَھَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَالِکَ الْوَرَقُ یَتَھَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّ الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھَافَتَ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا یَتَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ (مسند احمد، حدیث نمبر ۲۰۵۷۶، ورجاله ثقات،مجمع الزوائد)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سردی (یعنی خزاں) کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درختوں سے گر رہے تھے آپ نے درخت کی دو ٹہنیاں ہاتھ میں لیں، حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ اس کے پتے اور بھی گرنے لگے، حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ پس حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں (ترجمہ ختم)

سردی (یعنی خزاں) کے موسم میں درخت کے پتے ایسی کثرت سے گرتے ہیں کہ بعضے درختوں پر ایک بھی پتہ نہیں رہتا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اخلاص سے نماز پڑھنے کا اثر بھی یہی ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں ایک بھی نہیں رہتا مگر نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، اس لئے نماز کے ساتھ توبہ اور استغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہئے اس سے غافل نہ ہونا چاہئے البتہ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے کسی کے کبیرہ گناہ بھی معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے۔

حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ:

کُنتُ مَعَ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ واخذ غصنا منھا یابسا فھزہ حتیٰ

تحات ورقه ثم قال يا ابا عثمان الا تسألني لم افعل هذا قلت ولم تفعله، فقال هكذا فعل رسول الله ﷺ وانا معه تحت شجرة فاخذ منها غصنا يابسا فهزه حتىٰ تحات ورقه فقال ياسلمان الاتسألني لم افعل هذا فقلت ولم تفعله قال ان المسلم اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم صلى الصلوٰت الخمس تحاتت خطاياه كما يتحات هذا الورق وقال "اقم الصلوٰة طرفي النهاروزلفامن الليل ان الحسنات يذهبن السيأٰت،ذالك ذكرى للذاكرين

(مسنداحمد۲۲۵۹۴ واللفظ لهٗ،المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر۶۰۲۸)

ترجمہ: میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا انہوں نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی جس سے اس کے پتے گر گئے پھر مجھ سے کہنے لگے، کہ ابو عثمان تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا میں نے کہا بتا دیجئے کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا، جس طرح سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، کہ سلمان پوچھتے نہیں کہ میں نے اس طرح کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ بتا دیجئے کیوں کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے، تو اس کی خطائیں اس سے ایسی ہی گر جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں، پھر آپ نے قرآن کی آیت "اقم الصلاۃ طرفی النہار" تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سروں میں، اور رات کے کچھ حصوں میں، بے شک نیکیاں دور کر دیتی ہیں گناہوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے (ترجمہ ختم)

فائدہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو عمل کر کے دکھایا یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت کی ادنیٰ مثال ہے، جب کسی شخص کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کی ہر ادا اچھی لگتی ہے، اور ہر کام اس طرح کرنے کو جی چاہتا ہے، جس طرح محبوب کو کرتے دیکھتا ہے، جو لوگ محبت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں، وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے ارشادات نقل کرنے میں اکثر

ان کاموں کی بھی نقل کرتے تھے، جو ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے کئے تھے، نماز کا اہتمام اور اس کی وجہ سے گناہوں کا معاف ہونا بہت سی احادیث وروایات میں ذکر کیا گیا ہے اور مراد صغیرہ گناہ ہیں، لیکن جو شخص اخلاص سے نماز پڑھے گا اور آداب ومستحبات کی رعایت رکھے گا وہ خود ہی نا معلوم کتنی مرتبہ توبہ استغفار کرے گا، اور نماز میں التحیات کی آخری دعا ''اللھم انی ظلمت نفسی الخ'' میں تو توبہ واستغفار خود ہی موجود ہے، ان روایات میں وضو کو بھی اچھی طرح سے کرنے کا حکم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آداب ومستحبات کی تحقیق کر کے ان کا اہتمام کرے، مثلاً ایک سنت اس کی مسواک ہی ہے جس کی طرف سے آج کل عام طور پر بے توجہی پائی جارہی ہے، اچھی طرح وضو کرنے کے فضائل احادیث میں بڑی کثرت سے آئے ہیں، وضو کے اعضاء قیامت میں روشن اور چمکدار ہونگے، اور اس سے حضور ﷺ فوراً اپنے امتی کو پہچان جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ارأیتم لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ماتقول ذالک یبقی من درنه قالوا لایبقی من درنه شیأً ،قال فذالک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ به الخطایا (بخاری، حدیث نمبر ۴۹۷ واللفظ لهٗ؛ مسلم، حدیث نمبر ۱۰۷۱، ترمذی، حدیث نمبر ۲۷۹۴؛ نسائی، حدیث نمبر ۴۵۸؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۸۵۶۹)

ترجمہ: بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو کیا یہ غسل اس کے بدن پر کچھ میل باقی چھوڑے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ میل بھی باقی نہیں چھوڑے گا، حضور ﷺ نے فرمایا یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ:

مثل الصلوات الخمس کمثل نھر جار غمر علی باب احدکم یغتسل منه کل یوم خمس مرات (مسلم، حدیث نمبر ۱۰۷۲ واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۹۱۴۱)

ترجمہ: پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس کا پانی جاری ہو اور بہت گہرا ہو، اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے (ترجمہ ختم)

جاری پانی گندگی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے، اور پانی جتنا بھی گہرا ہوتا ہے، اتنا ہی صاف وشفاف بھی ہوتا ہے، اسی لئے اس حدیث میں اس کا جاری ہونا اور گہرا ہونا فرمایا گیا ہے، اور جتنے صاف پانی سے انسان غسل کرتا ہے، اتنی ہی بدن پر صفائی آتی ہے، اسی طرح اگر آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پانچوں نمازیں پڑھی جائیں تو گناہوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلَاۃُ الْخَمْسُ والْجُمُعَۃُ اِلَی الْجُمُعَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَابَیْنَھُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْکَبَائِرُ (مسلم، باب الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان، حديث نمبر ٣٤٢، ابنِ ماجه، حديث نمبر ١٠٧٦)

ترجمہ: پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ اگلے جمعہ تک اُن گناہوں کا جو اِن کے درمیان ہوتے ہیں، کفارہ ہے، جب تک کہ کبیرہ گناہ نہ کرے'' (ترجمہ ختم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

الصلوات الخمس كفارة مابينها وقال رسول الله ﷺ أرأيتم لوأن رجلا كان له معتمل، بين منزله ومعتمله خمسة أنهار، إذا انطلق إلى معتمله عمل ماشاء الله، وأصابه الوسخ أو العرق، فكلما مر بنهر اغتسل، ماكان ذالک يبقى من درنه وكذالک الصلوات، كلما عمل خطيئة أو ماشاء الله، ثم صلى ودعا واستغفر غفرله ماكان فيه (معجم اوسط طبرانی، حديث نمبر ٢٠٤، واللفظ لهٔ، معجم كبير طبرانی، حديث نمبر ٥٣٠٧، وقال الطبرانی فی الاوسط: لايروى هذا الحديث عن أبی سعيد إلا بهذا الاسناد، تفرد به: يحيى بن أيوب)

ترجمہ: پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لئے کفارہ ہیں (یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں، اس کے بعد) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مثلاً ایک شخص کا کوئی کارخانہ ہے، جس میں وہ کچھ کاروبار کرتا ہے،

جس کی وجہ سے اس کے بدن پر کچھ گرد وغبار، میل کچیل لگ جاتا ہے، اوراس کے کارخانے اور مکان کے درمیان پانچ نہریں پڑتی ہیں، جب وہ کارخانے سے گھر جاتا ہے تو ہر نہر پر غسل کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا سارا میل کچیل دُور ہوجاتا ہے، اسی طریقے سے پانچوں نمازوں کا حال ہے، کہ جب کبھی درمیانی اوقات میں کچھ خطا، لغزش وغیرہ ہوجاتی ہے تو نماز اوراُس میں دعاواستغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں (ترجمہ ختم)

حضورﷺ کا اس قسم کی مثالوں سے مقصد یہ بات سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو گناہوں کی معافی میں بہت قوی تاثیر عطا فرمائی ہے اور چونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، اس لئے مختلف مثالوں سے حضورﷺ نے اس مضمون کو واضح فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس رحمت اور وسعتِ مغفرت اور لطف وانعام اور کرم سے ہم لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو کسی کا کیا نقصان ہے؟ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں، ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، حکم عدولیاں کرتے ہیں، تعمیلِ ارشاد میں کوتاہیاں کرتے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ قادر، عادل بادشاہ کے یہاں ضرور سزا ہوتی، اور اپنے کئے کو بھگتتے، مگر اللہ تعالیٰ کے کرم کے قربان جایئے کہ جس نے اپنی نافرمانیاں اور حکم عدولیاں کرنے کی تلافی کرنے کا طریقہ بھی بتادیا، اگر ہم اس سے نفع حاصل نہ کریں تو ہماری حماقت ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف تو عطا کے لئے بہانے ڈھونڈتی ہے۔

حضرت ابومسلم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ:

ان رجلا حدثنی عنک انک سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من توضأ فاسبغ الوضوء غسل یدیه ووجهه ومسح علی رأسه واذنیه ثم قام الی صلاة مفروضة غفراللہ له فی ذالک الیوم مامشت الیه رجلاه وقبضت علیه یداه وسمعت الیه اذناه ونظرت الیه عیناه وحدث به نفسه من سوء فقال واللہ لقد سمعته من النبی ﷺ مالا احصیه (معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر ۷۹۵۸، واللفظ لہٗ؛ ورواہ احمد بن منیع، اتحاف الخیرة المھرة بزوائد المسانید العشرة للحافظ البوصیری، وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر من روایة ابی مسلم الثعلبی عنه ولم أر من ذکرہ، وبقیة رجاله موثقون، مجمع الزوائد، باب فضل الصلاة وحقھا)

ترجمہ: مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کہ ہے کہ آپ نے نبی ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے سرزد ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں، سب کو معاف فرما دیتے ہیں، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے یہ حدیث حضور ﷺ سے لاتعداد مرتبہ سنی ہے(ترجمہ ختم)

فائدہ: جو حضرات اہلِ کشف ہوتے ہیں ان کو گناہوں کا زائل ہوجانا محسوس بھی ہوتا ہے۔

لیکن کسی شخص کو اس بات سے مغرور نہیں ہونا چاہئے کہ نماز سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، گناہوں پر جرأت نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ ہم لوگوں کی نماز اور عبادات جیسی ہوتی ہیں، ان کو اگر اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے قبول فرمالیں تو ان کا لطف واحسان وانعام ہے، ورنہ ہماری عبادتوں کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے، اگرچہ نماز کا یہ اثر ضروری ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، مگر ہماری نماز بھی اس قابل ہے، اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس وجہ سے گناہ کرنا کہ میرا مالک کریم ہے ،معاف کرنے والا ہے، انتہائی بے غیرتی ہے۔

اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اپنے ان بیٹوں سے جو فلاں کام کرے درگزر کرتا ہوں تو وہ نالائق بیٹے اس وجہ سے کہ باپ نے درگزر کرنے کو کہہ دیا ہے، جان جان کر اس کی نافرمانیاں کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یبعث مناد عند حضرة کل صلاة فیقول یابنی آدم قوموا فاطفئوا اعنکم ما اوقدتم علی انفسکم فیقومون فیتطھرون وتسقط خطایاھم من اعینھم ویصلون فیغفر لھم مابینھما ثم یوقدون فیما بین ذالک ،فاذا کان عند صلاة الاولیٰ نادیٰ: یابنی آدم قوموا فاطفئوا امااوقدتم علی انفسکم فیقومون فیتطھرون ویصلون فیغفرلھم مابینھما، فاذا حضرت العصر فمثل ذالک، فاذا حضرت المغرب فمثل ذالک، فاذا حضرت العتمة فمثل ذالک، فینامون وقد غفر لھم ،ثم قال رسول اللہ ﷺ فمدلج فی

خیر ،ومدلج فی شر (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۰۱۰۴ ،وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیه ابان بن ابی عیاش وثقه ایوب وسلم العوی وضعفه شعبة واحمد وابن معین وابوحاتم،مجمع الزوائد، باب فضل الصلاۃ وحقنها للدم)

ترجمہ: ہرنماز کے وقت ایک فرشتہ کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اٹھواورجہنم کی اس آگ کو جسے تم نے (گناہوں کی بدولت) اپنے اوپر جلانا شروع کردیاہے، بجھاؤ، چنانچہ (دیندارلوگ) اٹھتے ہیں، وضوکرتے ہیں، اوراُن کی آنکھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں، اوروہ نماز پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے دونمازوں کے درمیان ہونے والے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے، پھروہ اس کے درمیان گناہ کرکے اپنے لیے جہنم کی آگ جلاتے ہیں، پس جب پہلی (یعنی فجر کی) نماز کا وقت ہوتا ہے،تو وہ پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اُٹھو، اور جوتم نے اپنی جانوں پر گناہوں سے ظلم کرکے جہنم کی آگ کوجلالیا ہے، اُس کو بجھاؤ، تو وہ اُٹھتے ہیں، پھروضوکرتے ہیں، اور (ظہر کی) نماز پڑھتے ہیں، تو اُن کے پچھلی نماز سے اس نماز کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، پھر جب عصر کی نماز کا وقت آجاتا ہے، تواسی طرح سے اعلان ہوتا ہے، پھر جب مغرب کا وقت آتا ہے تو یہی اعلان ہوتا ہے، پھر جب عشاء کا وقت آتا ہے تو یہی اعلان ہوتا ہے، پھر (عشاء کی نماز پڑھ کر جب) یہ لوگ سوجاتے ہیں، توان کے دن بھر کے تمام گناہ معاف ہوچکے ہوتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ بھلائیوں (نماز، وظیفہ، ذکر وغیرہ) کی طرف چلنے والے ہوتے ہیں اور بعض لوگ برائیوں (زنا کاری، بدکاری چوری وغیرہ) کی طرف چلنے والے ہوتے ہیں (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ومرفوعاً روایت ہے:

تحترقون تحترقون فإذا صليتم الفجر غسلتها، ثم تحترقون تحترقون فإذا صليتم الظهر غسلتها، ثم تحترقون تحترقون فاذا صليتم العصر غسلتها، ثم تحترقون تحترقون فاذا صليتم المغرب غسلتها، ثم تحترقون تحترقون فاذا صليتم العشاء غسلتها ثم تنامون فلايكتب عليكم شيئ حتى تستيقظون

(معجم اوسط طبرانی، حدیث نمبر ۲۳۱۴ واللفظ لهٗ؛ معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر ۸۶۵۲؛ معجم صغیر طبرانی، حدیث نمبر ۱۲۱؛ وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الثلاثة إلا أنه موقوف فی الکبیر ورجال الموقوف رجال الصحیح ورجال المرفوع فیھم عاصم بن بھدلة وحدیثه حسن، مجمع الزوائد، باب فضل الصلاة وحقنھا للدم)

ترجمہ: تم لوگ (گناہ کرکے) جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو، جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو (یعنی کثرت سے گناہ کرکے جہنم کے بہت قریب ہوجاتے ہو) پس جب تم ظہر کی نماز پڑھ لیتے ہو تو یہ اُن گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے؛ پھر تم لوگ (گناہ کرکے) جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو، جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو (یعنی کثرت سے گناہ کرکے جہنم کے بہت قریب ہوجاتے ہو) پس جب تم عصر کی نماز پڑھ لیتے ہو تو یہ اُن گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے؛ پھر تم لوگ (گناہ کرکے) جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو، جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو (یعنی کثرت سے گناہ کرکے جہنم کے بہت قریب ہوجاتے ہو) پس جب تم مغرب کی نماز پڑھ لیتے ہو تو یہ اُن گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے؛ پھر تم لوگ (گناہ کرکے) جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو، جہنّم کی آگ میں جلنا شروع ہوجاتے ہو (یعنی کثرت سے گناہ کرکے جہنم کے بہت قریب ہوجاتے ہو) پس جب تم عشاء کی نماز پڑھ لیتے ہو تو یہ اُن گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے؛ پھر تم (پانچوں نمازوں سے فارغ ہوکر رات کے وقت) سوجاتے ہو، تو تم پر دن بھر کا کوئی گناہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ تم بیدار نہ ہوجاؤ (ترجمہ ختم)

فائدہ: حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے نماز کی بدولت گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، اور نماز میں چونکہ خود استغفار موجود ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

اس لئے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ اس میں داخل ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ دل سے گناہوں پر ندامت ہو۔

حضرت ابوقتادہ ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ اِنِّیْ اِفْتَرَضْتُ عَلیٰ اُمَّتِکَ خَمْسَ صَلَوٰاتٍ وَعَهِدْتُّ عِنْدِیْ عَهْداً اَنَّهٗ مَنْ جَاءَ یُحَافِظُ عَلَیْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ اَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ وَمَن لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْهِنَّ

فَلَا عَهْدَ لَهٗ عِنْدِیْ (ابو داؤد، حدیث نمبر ۳٦٦، فی المحافظة علیٰ وقت الصلوات واللفظ لہٗ؛ و ابن ماجه، حدیث نمبر ۱۳۹۳، ماجاء فی فرض الصلوات الخمس والمحافظة علیها)

ترجمہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کرلیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے گا اس کو (اپنی ذمہ داری پر) جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہیں کرے گا تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے (ترجمہ ختم)

ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اور وضاحت سے آیا ہے جو حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا، آپ فرمارہے تھے:

خمس صلوات کتبهن الله عزوجل علی العباد فمن جاء بهن لم یضیع منهن شیئا استخفافا بحقهن کان له عند الله عهد أن یدخله الجنة ومن لم یأت بهن فلیس له عند الله عهد إن شاء عذبه وإن شاء أدخله الجنة (موطأمالک، باب الامر بالوتر، حدیث نمبر ۲۴۸)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو شخص ان سب کو ادا کرتا ہے، اور اُن میں سے کسی نماز کے حق کو لاپرواہی سے ضائع نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کا اُس کے لیے عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے اور جو شخص ان پانچ نمازوں کو اس طرح ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا اُس سے کوئی عہد نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اُس کو عذاب دیں اور اگر چاہیں تو اس کو جنت میں داخل کریں (ترجمہ ختم)

نماز کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس کے اہتمام سے اللہ کے عہد میں اور ذمہ داری میں آدمی داخل ہوجاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معمولی سا حاکم یا دولت مند کسی شخص کو اطمینان دلا دے یا کسی مطالبہ کا ذمہ دار ہوجائے یا کسی قسم کی ضمانت کرلے تو وہ کتنا مطمئن اور خوش ہوتا ہے اس حاکم کا کس قدر احسان مند اور گرویدہ بن جاتا ہے۔

یہاں ایک معمولی عبادت پر جس میں کچھ مشقت بھی نہیں ہے مالک الملک دوجہان کا بادشاہ عہد کرتا ہے پھر بھی لوگ اس چیز سے غفلت اور لاپروائی کرتے ہیں اس میں کسی کا کیا نقصان ہے اپنی ہی کم نصیبی اور اپنا

ہی ضرر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا کہ:

جُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلاَةِ (سنن النسائی حدیث نمبر ٣٩٧٨) [1]

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کردی گئی ہے (ترجمہ ختم)

---

[1] واسنادہ حسن (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافع الکبیر ،کتاب النکاح)
ورواہ ھذاالحدیث فی مسند احمد حدیث نمبر ١١٨٤٥ و حدیث نمبر ١١٨٤٦ و حدیث نمبر ١٢٥٨٤ ،السنن الکبریٰ للنسائی حدیث نمبر ٨٨٨٨،واللفظ لھم،مسند احمد حدیث نمبر ١٣٥٢٦، السنن الکبریٰ للبیھقی ج٧ص٧٨،مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ٧٩٣٩،المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ١٧٣٨٨، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ٥٣٦١، مستدرک حاکم حدیث نمبر ٢٦٧٦)

صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام

صدقۂ جاریہ کی حقیقت اور نیکی کا ذریعہ بننے کی صورتیں، ایصالِ ثواب کا قرآن وسنت، اجماع اور شرعی قیاس سے ثبوت، مطلق اور عام ایصالِ ثواب کے منکِر کا حکم، فقہ کے چاروں ائمہ کے سلسلہ کی کتابوں سے، مالی اور بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کا ثبوت، دعا واستغفار، ذکر وتلاوت، نماز، روزہ، صدقات وخیرات، حج وعمرہ، اور قربانی وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب پر احادیث وروایات، ایصالِ ثواب کی شرائط، ایصالِ ثواب سے متعلق بدعات ورسوم، ایصالِ ثواب کے طریقے اور اس سے متعلق مختلف مسائل واحکام، اور ایصالِ ثواب کے منکرین کے شبہات واعتراضات کا جائزہ

مصنِّف:

مفتی محمد رضوان

اداہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

مقالات و مضامین

مفتی محمد رضوان

عدالتی وکیلوں کے لئے اسلامی ہدایات وآداب

''وکیل'' اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، جس کے معنیٰ کارساز کے ہیں، یعنی جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کردیا ہو، اس کو انجام دینے والا۔

اور دوسرے کی طرف اپنا کام سپرد کردینے کے عمل کو وکالت کہا جاتا ہے۔

وکیل کی جمع وکلاء آتی ہے، سب کے حقیقی وکیل اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کے اعتبار سے اس کی جمع نہیں آتی، البتہ دنیا میں کسی خاص کام کو دوسرے کے سپرد کردینے کی صورت میں بھی دوسرے کو وکیل کہا جاتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے اس کی جمع وکلاء استعمال کی جاتی ہے۔

اور اگرچہ وکالت کا لفظ دنیا کے مختلف قسم کے کاموں کو دوسرے کے سپرد کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس وقت ہماری مراد وہ عدالتی وکلاء ہیں جو دوسروں کے معاملات ومقدمات کی پیروی ونمائندگی کرتے ہیں، اور اس وقت ان کے لئے چند اسلامی ہدایات وآداب ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)...... اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ''وکیل'' بھی ہے، لہٰذا ہر دنیا کے عدالتی وکیل کو اللہ تعالیٰ کے اس مبارک نام کی نسبت کا لحاظ اور قدر کرنی چاہئے، اور اسے ہر لمحہ اس بات کا احساس کرنا چاہئے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس باعظمت نام کی توہین ہو۔

(۲)...... سب کے حقیقی وکیل اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اس لئے عدالت میں دوسرے کی طرف سے نمائندگی کرنے والے ہر وکیل کو ہمہ وقت اس بات کا استحضار رکھنا چاہئے کہ آخر ایک دن خود اس کو بھی اپنے قول وفعل اور کردار کے حساب وکتاب اور جواب دہی کے لئے اس حقیقی وکیل کے سامنے پیش ہونا ہے، جس کے ایک صفاتی نام سے اس کے کردار کے نام کی نسبت جڑی ہوئی ہے، لہٰذا کہیں ایسی نوبت نہ آجائے کہ دنیا کی عدالت میں مجرموں کو چھڑاتے چھڑاتے وہاں آخرت کی عدالت میں خود مجرموں کے کٹہرے میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی طرف سے ایسی سزا کا فیصلہ نہ سننا پڑے، جس کو ختم کرنا کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔

(۳)...... عدالتی وکالت کا معاملہ دنیا وآخرت کے اعتبار سے انتہائی نازک اور ذمہ داری کا معاملہ ہے،

اس لئے ہر عدالتی وکیل کا فریضہ ہے کہ وہ حق دار، سچے اور مظلوم مؤکل کی وکالت واعانت کرے، جھوٹے مقدمہ کی پیروی اوراعانت سے باز رہے۔

(۴)......ظالم کی اعانت اور جھوٹے مقدمہ کی پیروی کا کبیرہ گناہ ہونا تو اپنی جگہ ظاہر ہے ہی، کیونکہ یہ گناہ اور ظلم پر تعاون کرنا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی. وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. وَاتَّقُوا اللّٰہَ. اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُالْعِقَابِ (سورہ مائدہ آیت نمبر ۲)

ترجمہ: تم نیکی اور پرہیزگاری پر مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت پکڑ والے ہیں۔

اسی کے ساتھ اس قسم کے مقدمہ پر جو معاوضہ اور اجرت لی جائے وہ بھی سراسر ناجائز اور حرام ہے، اور اس طرح یہ دہرا گناہ ہے۔

(۵)......عدالتی وکیل چونکہ دوسرے کو انصاف فراہم کرانے کے لئے نمائندگی کرتا ہے، اس لئے اسے خود کسی موقع پر ناانصافی اختیار کرنا اس کے منصب کے سراسر خلاف ہے۔

(۶)...... ہر عدالتی وکیل کی ذمہ داری ہے کہ اس کو اس کے موکل نے جب اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے تو موکل کے ساتھ ہر طرح کی خیر خواہی و ہمدردی والا معاملہ کرے، اور اس کے کام کو اپنا ذاتی کام سمجھے، پوری دیانت داری اور جانفشانی سے کام کو انجام دے۔

(۷)......موکل کو ہمیشہ صحیح مشورہ دے، پیسوں کی خاطر دوسرے کو غلط مشورہ ہرگز نہ دے، اور مشورہ دیتے وقت یہ سوچے کہ اگر وہ خود اس معاملہ میں مبتلا ہوتا، جس میں اس کا موکل مبتلا ہے، تو وہ اپنے لئے کیسا مشورہ پسند کرتا، رسولُ اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ (ترمذی ،ابنِ ماجه،ابوداؤد،مسنداحمد،طبرانی کبیر)

یعنی ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے''

اور طبرانی میں یہ حدیث کچھ زائد الفاظ کے ساتھ اس طرح مروی ہے:

اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ فَاِذَا اسْتُشِیْرَ فَلْیُشِرْ بِمَاھُوَصَانِعٌ لِنَفْسِہٖ (معجم اوسط طبرانی حدیث نمبر ۲۲۸۵)

ترجمہ: ’’جب کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لئے اختیار کرتا اگر وہ خود اس معاملہ میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے‘‘

(۸)...... ہر عدالتی وکیل کو چاہئے کہ اپنے موکل کے ساتھ معاملات کو صاف اور شفاف رکھے، صاف گوئی سے کام لے اور کسی قسم کا ابہام پیدا کر کے دوسرے کو اندھیرے میں نہ رکھے۔

(۹)......وکالت کے شعبہ کے لئے شرعاً وقانوناً جس تعلیم کی ضرورت ہے، پہلے اس کو حاصل کرے، اور اسی طرح جائز قانونی تقاضوں کو بھی پورا کرے، رشوت اور ناجائز سفارش کی بنیاد پر وکالت کا اپنے آپ کو اہل قرار دلوانے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ جس کام کی بنیاد گناہ پر قائم ہوتی ہے، اس میں خیر اور برکت نہیں ہوتی۔

(۱۰)...... اگر کسی معاملہ کے قانونی پہلو سے واقفیت نہیں تو اس کے بارے میں بغیر علم کے موکل کے سامنے کوئی بات نہ کرے۔

(۱۱)......فیس اور معاوضہ لینے میں انصاف اور رحم دلی سے کام لے، اور کسی پر بے جا فیس بڑھا کر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے، اور مختلف حیلوں بہانوں سے روپیہ پیسہ بٹورنے کی کوشش نہ کرے۔

(۱۲)......جس کا مقدمہ کمزور ہو اس کو سبز باغ دکھا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے۔

(۱۳)......اپنے موکل کے علم میں لائے بغیر فریقِ مخالف سے کوئی معاملہ طے نہ کرے۔

(۱۴)......حتی الامکان رشوت کے معاملات سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔

(۱۵)......اس کی وکالت میں آنے والا مقدمہ اگرچہ حق اور سچ پر مبنی ہو تب بھی اس کو مؤثر بنانے کے لئے جھوٹے اور غلط بیانات اور رپورٹیں تیار نہ کرے، اور نہ ہی اس کے لئے اپنے موکل کو آمادہ کرے۔

(۱۶)......اپنے مقدمات کو ہر قسم کے جھوٹ اور غلط بیانی سے پاک رکھے۔

(۱۷)......کوئی جھوٹی گواہی عدالت میں پیش نہ کرے، اور یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ کسی ایسے واقعہ کی گواہی دینا جس واقعہ کا کسی نے مشاہدہ نہیں کیا، سراسر جھوٹ ہے۔

(۱۸)......جھوٹا حلف سخت کبیرہ گناہ ہے، اگرچہ عدالتوں میں اس کا عام رواج ہو گیا ہے، اس لئے حلفیہ بیان کے کاغذوں کی قیمت سے قطع نظر کر کے اس کی حقیقت پر نظر رکھے، اور اس کبیرہ گناہ سے اپنے مقدمات کو محفوظ رکھے۔

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

حج اخراجات کو کمائی کا ذریعہ سمجھ کر مشکل نہ بنائیں

اخبار کے مطابق ہندوستان میں اس مرتبہ (۱۴۲۹ھ/2008ء) کو حج کرایہ مبلغ بارہ ہزار (12000/-) روپے اور حج کے کل اخراجات مبلغ تیس ہزار (30000/-) روپے کے لگ بھگ مقرر ہیں، اور ہندوستانی حکومت مسلم اقلیت کو سالانہ حج کی مد میں تقریباً سولہ سال سے مبلغ تین ارب روپے سبسڈی دے رہی ہے جبکہ پاکستان میں حج کرایہ مبلغ اکہتر ہزار (71000/-) سے تہتر ہزار (73000/-) روپے تک اور حج کے کل اخراجات مبلغ دولاکھ (200000/-) روپے کے لگ بھگ مقرر ہیں۔

یہ صورتِ حال پاکستانی حکمرانوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے (ملاحظہ ہو: روزنامہ اسلام راولپنڈی، بدھ ۲۲/شوال ۱۴۲۹ھ، 22 اکتوبر 2008ء)

مکہ مکرمہ سے ہندوستان کا فاصلہ پاکستان کے مقابلہ میں کم نہیں ہے، اگرچہ پاک وہند کے روپیوں کی قدر میں فرق ضرور ہے، لیکن اتنا زیادہ فرق نہیں ہے، جتنا مذکورہ حج اخراجات میں ظاہر ہو رہا ہے، باوجودیکہ حج مسلمانوں کی مذہبی عبادت ہے، اور ہندوستانی حکومت کے مذہب میں یہ عبادت نہیں۔

اس فرق کی بنیادی وجہ مسلمانوں میں مال کی محبت اور عیش پرستی کا رواج ہے، اور دنیا کے کاروباری معاملات کے مقابلہ میں حج جیسی عبادت کو خالص کمائی کا ذریعہ سمجھ کر مہنگا کرنا زیادہ خطرناک ہے۔

مگر ہمارے یہاں دین ودنیا کے معاملات میں امتیاز کئے بغیر ہر چیز کو پیسے بٹورنے اور کمائی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ رمضان کے موقع پر اگر خورد ونوش کی اشیاء مہنگی کی جاتی ہیں تو قربانی کے موقع پر جانور مہنگے کردیئے جاتے ہیں، اور حج کے موسم میں حج کے اخراجات کو غیر معمولی مہنگا کردیا جاتا ہے، جبکہ آمد ورفت اور قیام ورہائش وغیرہ کے واقعی اخراجات اتنے زیادہ نہیں ہوتے، جبکہ دوسرے مذاہب والوں کے یہاں مذہبی تہواروں کے موقع پر اکثر یا مخصوص چیزوں کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کی جاتی ہے، چنانچہ کرسمس ڈے کے موقع پر بین الاقوامی سطح پر مختلف اشیاء کی قیمتوں میں کمی کردی جاتی ہے۔

کیا اگر مسلمان مذہبی عبادت سمجھ کر نہیں تو دوسروں سے عبرت حاصل کرکے بھی اس قسم کے معاملات کو درست نہیں کرسکتے؟

idaraghufran

ادارہ

ادارہ غفران میں اجتماعی قربانی

گزشتہ کئی سالوں سے ادارہ غفران میں اجتماعی قربانی کا نظم قائم ہے، حسبِ سابق اس سال بھی ادارہ غفران میں اجتماعی قربانی کا نظم قائم کیا گیا ہے، ادارہ غفران میں ہونے والی اجتماعی قربانی سے متعلق جو ہدایات وشرائط جاری کی گئی ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(1) مالِ حلال سے حصہ ڈالنے کا اہتمام فرمائیں ورنہ سب کی قربانی ناقص ہونے کا اندیشہ ہے، جس کا پورا پورا وبال مال حرام سے شرکت کرنے والے پر ہوگا **(2)** شرکت کنندہ کی جانب سے ادارہ کی انتظامیہ جانور کی خرید اور مختلف انواع (وہڑے، کٹے، اونٹ کے نر ومادہ) کی تعیین سے لے کر آخری مراحل تک وکیل کی حیثیت سے مجاز ہوگی، پیشگی اجازت ہونی چاہئے تاکہ شرعی طریقہ پر قربانی صحیح ہوجائے **(3)** سری اور زبان بنانے کا انتظام نہیں ہوتا، بلکہ سری ضرورت مندوں کو فراہم کردی جاتی ہے، اور اجتماعی قربانی کی کھالیں بطور صدقہ ادارہ غفران کے مصارف میں جمع ہوکر ثواب دارین کا باعث ہوجاتی ہیں، لہٰذا پہلے سے شرکاء کی طرف سے رضامندی ہونی چاہئے **(4)** پائے حصہ میں شامل کر کے گوشت کے ساتھ ملائے جاتے ہیں **(5)** اجتماعی قربانی میں اسی سال کی ادا قربانی کی نیت سے شامل ہوا جاسکتا ہے، گزشتہ کسی سال کی زندہ یا مردہ کی طرف سے قضا قربانی کی نیت سے شرکت شرعاً جائز نہیں، البتہ ایصالِ ثواب کی غرض سے قربانی کی جاسکتی ہے، اور اسی طرح عقیقہ کا حصہ بھی شامل کیا جاسکتا ہے **(6)** ادارہ کی طرف سے حصہ داران سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا، البتہ قربانی کے عمل میں آنے والے معقول اخراجات قربانی کی قیمت کی مد سے منہا کئے جاتے ہیں **(7)** قربانی کے دن ادارہ سے رابطہ رکھا جائے اور بروقت اپنے حصہ کا گوشت حاصل کرلیا جائے، اس سلسلے میں کوتاہی کرنے سے انتظامیہ کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور بدنظمی کی نوبت آتی ہے، اور تاخیر ہونے پر گوشت کے خراب وضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے **(8)** جانور کے چارہ پانی اور دیگر تمام اخراجات بھی قربانی کی قیمت میں شامل ہوتے ہیں، اور ادارہ کی طرف سے سستے جانور خریدنے کی ممکنہ کوشش ہوتی ہے تاہم مارکیٹ کے اعتبار سے قیمت میں اتار چڑھاؤ ایک بدیہی چیز ہے، اس لئے اجتماعی قربانی کے تمام جانور یکساں قیمت کے نہیں ہوتے **(9)** پہلے دن قربانی کے

جانوروں کی تعداد مکمل ہونے پر دوسرے تیسرے دن قربانی ادا کی جاتی ہے اس لئے پہلے دن باری نہ آنے پر کسی قسم کی تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ دوسرے تیسرے دن گوشت وغیرہ بنانے میں زیادہ سہولت رہتی ہے **(10)** اپنی قربانی کے ذبح کے وقت موجود رہنا اور حسبِ حیثیت شرکت وتعاون کرنا شرعاً ایک پسندیدہ عمل ہے اس فضیلت کے حصول کی بھی کوشش کرنی چاہئے تاہم ادارہ کی طرف سے قربانی کے وقت موجود رہنا ضروری نہیں **(11)** حساب وکتاب اور اپنی باقی ماندہ رقم کے حصول کے لئے قربانی کے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ بعد تک رابطہ کر کے حساب بے باق کر لینا چاہئے، تاکہ انتظامیہ کو دشواری کا سامنا نہ ہو، بصورتِ دیگر باقی ماندہ رقم ادارہ کے فنڈ میں جمع کر لی جائے گی۔

امسال ۱۴۲۹ھ کے لئے اجتماعی قربانی میں فی حصہ قیمت

عام حصہ: چار ہزار روپے (4000/-)۔**متوسط حصہ:** پینتالیس سو روپے (4500/-)

مزید معلومات کے لئے

ادارہ غفران ٹرسٹ گلی نمبر 17 چاہ سلطان راولپنڈی فون نمبرز:-051-5507270

0333-5365831، سے رجوع فرمائیں۔

(بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام)

ماہِ ذی قعدہ کے فضائل واحکام

اس رسالے میں اسلامی سال کے گیارہویں مہینے ’’ذی قعدہ‘‘ کے متعلق فضائل ومسائل اور منکرات کو جمع کیا گیا ہے، نیز ماہِ ذی قعدہ کے حج کے مہینوں میں سے ہونے کی وجہ سے حج سے متعلق بھی چند بنیادی باتیں اور قابلِ اصلاح چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ماہِ ذی قعدہ میں واقع ہونے والے چند تاریخی واقعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

بسلسلہ: تاریخی معلومات مولوی طارق محمود

ماہِ شوال: چوتھی نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات

□......**ماہِ شوال ۳۰۸ھ**: میں حضرت ابوخبیب عباس بن قاضی علامہ احمد بن محمد بن عیسیٰ البرتی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ابن البرتی کے نام سے مشہور تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

□......**ماہِ شوال ۳۱۰ھ**: میں عظیم مورخ حضرت ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر الطبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ابنِ جریر طبری کے نام سے مشہور تھے، آپ کی ولادت ۲۲۴ھ میں ہوئی اور ۲۴۰ھ کے بعد طلبِ علم شروع کیا، اور کثرت سے سفر کئے اور بڑے بڑے مشاہیر علماء سے علم سے حاصل کیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۸۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۱۷)

□......**ماہِ شوال ۳۱۰ھ**: میں حضرت ابوصخرۃ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ہلال السامی القرشی رحمہ اللہ، آپ کا لقب ابوصخرۃ الکاتب تھا (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۵۷)

□......**ماہِ شوال ۳۱۳ھ**: میں حضرت ابوالحسن علی بن عبدالحمید بن عبداللہ بن سلیمان الغضائری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ شام کے علاقے حلَب کے محدث کے لقب سے مشہور تھے، آپ فرماتے تھے: کہ میں نے اپنے ان پاؤں سے (یعنی پیدل) چالیس حج کئے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۲۵۷)

□......**ماہِ شوال ۳۱۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ حسین بن عبداللہ بن جصاص البغدادی الجوہری رحمہ اللہ، کی وفات ہوئی، آپ مشہور تاجر تھے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۷۳)

□......**ماہِ شوال ۳۱۶ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن عقیل بن الازہر بن عقیل البلخی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا، آپ سے مروی ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

قتال المسلم کفر، وسبابہ فسوق (بخاری)

مسلمان سے لڑنا کفر ہے، اور اس کو گالی دینا فسق ہے

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۱۶، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۹۱)

□......**ماہِ شوال ۳۱۷ھ**: میں حضرت امام ابوالحسن علی بن احمد بن سلیمان بن ربیعۃ بن صیقل علان المصری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۲۷ھ میں ہوئی، اور طلبِ علم ۲۴۰ھ میں شروع کیا، ۹۰

سال کی عمر میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۴۹۶، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۰)

□......**ماہِ شوال ۳۱۷ھ:** میں حضرت ابوالقاسم بدر بن ہیثم بن خلف اللخمی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ بغداد میں رہتے تھے، اور آپ کی ولادت کوفہ میں ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی، ۱۱۶سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۴ ص ۵۳۱)

□......**ماہِ شوال ۳۱۹ھ:** میں حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن فطیس بن واصل بن عبداللہ الغافقی الاندلسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ ابنِ فطیس کے نام سے مشہور تھے اور اندلس کے محدث کہلاتے تھے، آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں ہوئی، ''الروع والاہوالؔ، اور ''الدعاءؔ'' آپ کی مشہور کتابیں ہیں، ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۸۰، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۱، طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۶۶، تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص ۸۰۲)

□......**ماہِ شوال ۳۲۰ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کی ''صحیح بخاری'' روایت کرتے ہیں اور ''فربرؔ'' کے مقام پر دومرتبہ آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے صحیح بخاری سنی، آپ کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۱۳، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۲۲)

□......**ماہِ شوال ۳۳۰ھ:** میں حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک بن ایمن بن فرج القرطبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ قاسم بن اصبغ رحمہ اللہ کے ساتھی تھے، اور آپ کی ولادت ۲۵۲ھ میں ہوئی، آپ اندلس کے شیخ کے لقب سے اور ابن ایمن کے نام سے مشہور تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۲۴۲)

□......**ماہِ شوال ۳۳۰ھ:** میں حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن عبید بن عبداللہ بن حساب البغدادی البزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ۸۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۵۶)

□......**ماہِ شوال ۳۳۲ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن بشر بن بطریق العکری المصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت سامراء میں ۲۴۸ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۱۴)

□......**ماہِ شوال ۳۳۲ھ:** میں شیخ العالم حضرت ابوبکر محمد بن حسین بن حسن بن خلیل نیشاپوری القطان رحمہم اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۱۹، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۳۲)

□......**ماہِ شوال ۳۳۵ھ:** میں حضرت ابوبکر محمد بن عمر بن حفص نیشاپوری السمار رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ۹۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۳۷۶)

□......**ماہِ شوال ۳۴۰ھ:** میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث بن خلیل الحارثی

البخاری الکلاباذی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ عبداللہ الاستاذ کے نام سے مشہور تھے اور آپ کی ولادت ۲۵۸ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۴۲۵)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۴ھ:** میں حضرت علامہ ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن عبداللہ بن عنبر بن عطاء السلمی رحمہم اللہ کا انتقال ہوا، ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۳۴)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۶ھ:** میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۴۸ھ میں ہوئی، ابنِ مندۃ فرماتے ہیں: دنیا میں بڑے بڑے شیوخ پانچ ہیں، اصبہان میں ابنِ فارس، نیشاپور میں اصم، مکہ مکرمہ میں ابن الاعرابی، اطرابلس میں خیثمۃ، بغداد میں اسماعیل الصفار (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۵۴، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۴۱)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۷ھ:** میں حضرت ابوالفضل بن محمد بن ابراہیم بن فضل الہاشمی نیشاپوری المزکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۷۲)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۷ھ:** میں حضرت قاضی ابوالحسن احمد بن سلیمان بن ایوب بن داؤد بن عبداللہ بن حذلم الاسدی الدمشقی الاوزاعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ دمشق کے مفتی کے لقب سے مشہور تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۱۵)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۹ھ:** میں حضرت ابوالفوارس احمد بن محمد بن حسین بن السندی المصری الصابونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ السندی کے نام سے مشہور تھے، اور آپ کی ولادت ۲۵۱ھ میں ہوئی، مصر میں آپ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۵ ص ۵۴۲، العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۱۴۳)

☐......**ماہِ شوال ۳۴۹ھ:** میں حضرت ابوطاہر عبدالواحد بن عمر بن محمد بن ابوہاشم البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۲۸۰ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۶ ص ۲۲)

Idara Ghufran

مقالات ومضامین مفتی محمد رضوان

کیا عید کے چاند کا اعلان درست تھا؟

۲۹/رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کے دن کا سورج غروب ہو چکا تھا،اور لوگ افطار اور مغرب کی نماز سے فراغت حاصل کر چکے تھے،عید کے چاند کے لئے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا اجلاس جاری تھا،اسی دوران عشاء کا وقت بھی داخل ہو گیا اور حسبِ معمول عشاء کی نماز ادا کر لی گئی،میں نے اپنی مسجد میں عشاء کی نماز اور سنتوں سے فراغت پا کر چاند کا اعلان نہ ہونے کے باعث تراویح پڑھا دیں،اور وتروں وغیرہ سے فارغ ہو کر حاضرینِ مسجد کو حسبِ معمول کچھ دینی باتوں سے متعلق گزارشات بھی پیش کر دیں۔

فراغت کے بعد کچھ حضرات دینی مسائل معلوم کرنے میں مشغول ہو گئے۔اس وقت اصل وقت کے مطابق تقریباً دس اور نئے وقت کے مطابق ۱۱بج چکے تھے،کہ ایک صاحب نے مسجد میں آ کر کہا کہ عید کے چاند کا اعلان ہو گیا ہے اور میں ابھی اعلان سُن کر آیا ہوں، ابھی کچھ ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک دوصاحبان مزید بھی آ گئے اور انہوں نے بھی اس خبر کی تصدیق کی۔

اسی اثناء میں مسجد میں اعتکاف کے لئے بیٹھے ہوئے حضرات بھی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ایک جگہ جمع ہونا شروع ہو گئے،گفت وشنید کے دوران بعض حضرات نے بتلایا کہ بعض خبروں کے مطابق مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی نے دراصل چاند کا اعلان صوبہ سرحد کے فلاں وزیر کے دباؤ میں آ کر کیا ہے،اور یہی وجہ ہے کہ کمیٹی کو صوبہ سرحد کے علاوہ کسی اور جگہ سے چاند کی شہادتیں حاصل نہیں ہوئیں۔

اوراس خبر سے لوگوں کو عید کے چاند میں تردد اور تذبذب پیدا ہو گیا ہے۔اور مختلف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔

اصل حقائق سے آگاہ ہونے کے لئے میں نے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے رکن جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب کو فون کیا، پہلے تو ان کا فون بند ملا،لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ان سے رابطہ ہو گیا، میں نے ان سے لوگوں کے چاند کے اعلان اور فیصلے کے متعلق تردد اور تذبذب کا ذکر کیا تو انہوں نے اس قسم کی باتوں کی تردید فرمائی اور کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے،اور کمیٹی نے چاند کا فیصلہ خوب تحقیق اور چھان بین کے بعد باہمی اتفاقِ رائے سے کیا ہے،اور ہرگز بھی کسی سیاسی شخصیت کے دباؤ میں آ کر فیصلہ نہیں کیا،اور نہ ہی صوبہ سرحد کے اعلان سے متأثر ہو کر فیصلہ کیا ہے۔

اگر ہم نے ان سے متأثر ہونا ہوتا، تو اب سے پہلے سالوں میں بھی متأثر ہو سکتے تھے، ان کے ساتھ تو ہر سال ہی عموماً ہمارا اختلاف رہتا ہے، اور مختلف باتیں سننے کو ملتی ہیں، اور عوام کو تو اب اس اختلاف کا پرائیویٹ ٹی وی چینلوں کے ذریعہ سے پتہ چلا ہے، انہیں کیا معلوم کہ ہمیں ان کی مخالفت میں اس سے پہلے کیا کچھ سننے کو ملتا رہا ہے، بہرحال صوبہ سرحد کے کسی وزیر کے فیصلے یا باتوں سے متأثر ہو کر ہرگز بھی کمیٹی نے فیصلہ نہیں کیا۔

بلکہ کمیٹی کے پاس صوبہ سندھ کے بعض علاقوں مثلاً ''بدین'' اور ''دادو'' وغیرہ سے بطور خاص شہادتیں موصول ہوئیں اور کچھ دیگر علاقوں سے بھی موصول ہوئیں، ان سب کے مجموعہ سے کمیٹی کو شرعی اور فنی چھان بین کے بعد اطمینان حاصل ہوا، اور پھر باہمی اتفاقِ رائے سے فیصلہ کیا گیا اور صوبہ سندھ ملک کے آخری مغربی کنارہ پر واقع ہے، جس میں سورج ملک کے دوسرے علاقوں کی بنسبت تاخیر سے غروب ہوتا ہے، او رچاند بھی ظاہر ہے کہ تاخیر سے ہی نظر آنے کے امکانات ہوتے ہیں، اس کے علاوہ بعض گواہوں کے ایسے علاقوں میں ہونے سے کہ جہاں طلب ورسد کے جدید ذرائع میسر نہیں ہوتے نتائج حاصل کرنے میں تاخیر کا ہو جانا کوئی بعید نہیں، لہٰذا اس میں تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ اور جب چاند کا فیصلہ مشکل بھی ہو جیسا کہ آج کے چاند کا معاملہ تھا، تو اتنی تاخیر سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

پوری گفتگو سننے کے بعد مجھے تو چاند کے اعلان پر شرح صدر اور اطمینان ہو گیا، اور اپنے احباب ورفقاء کو بھی اس سے آگاہ کر دیا، اس کے بعد بھی براہِ راست زبانی اور بذریعہ فون جن جن لوگوں نے چاند کے متعلق تشویش کا اظہار کیا، ان کو اطمینان دلانے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

اور اگلے روز عید کی نماز سے پہلے اپنے بیان میں بھی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے پر مطمئن رہنے کی لوگوں کو تلقین کی۔

لیکن عید کے کئی روز بعد تک مختلف لوگوں کی طرف سے عید کے چاند کے متعلق سوالات اور مختلف چہ میگوئیوں سے اندازہ ہوا کہ مرکزی کمیٹی کے چاند کے فیصلے پر بہت سے لوگ خدشات وشبہات میں مبتلا ہیں۔

اور بعض ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ٹیلی ویژن وغیرہ پر بھی مختلف لوگوں کے اس سلسلہ میں منفی بیانات اور انٹرویوز نشر کئے جا رہے ہیں۔

اگرچہ میرے لئے تو لوگوں کی طرف سے مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے پر شبہات واعتراضات کا

سامنے آنا کوئی نئی بات نہیں تھی، کیونکہ مجھے اپنی یادداشت کے مطابق کوئی عید ایسی یاد نہیں پڑتی کہ کمیٹی کی طرف سے چاند کے فیصلے پر عوام کی طرف سے کوئی اعتراض سامنے نہ آیا ہو، ہمیشہ اور ہر حال میں کم وبیش چہ میگوئیاں معاشرہ کا حصہ بن چکی ہیں، خواہ کوئی عالم ہو یا عامی، شہری ہو یا دیہاتی، جب چاہے، اور جس طرح چاہے اعتراض کر بیٹھتا ہے اور پھر اس کی اپنے حلقہ میں پرزور انداز میں تبلیغ بھی شروع کر دیتا ہے۔

حالانکہ یہ بات دلائل اور تجربات سے واضح ہو چکی ہے کہ اس وقت ہمارے ملک کی مرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی کا نظام انتہائی عمدہ اور عالیشان اور موجودہ حالات میں بہت اہم ضرورت بن کر رہ گیا ہے، لہٰذا اس پر شکر کرنا اور اس کی قدر کرنا ہم سب کا فریضہ ہے، کیونکہ ناشکری و ناقدری سے نعمت سے محرومی مقدر بن جاتی ہے۔

علمی تحقیق اور تفصیلی دلائل کا تو یہ موقع نہیں (اگر کوئی صاحبِ علم اس کی ضرورت محسوس کریں تو وہ میرے رسالہ ''رؤیتِ ہلال کمیٹی کا شرعی حکم'' کا مطالعہ فرمائیں)

مختصراً عرض ہے کہ جہالت اور عناد کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اعتراضات کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور ان کی وجہ سے کسی چیز کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑا کرتا۔ اس مرتبہ کمیٹی کے چاند کا اعلان کرنے پر عوام بلکہ بعض خواص کی طرف سے بڑا اعتراض یہ سامنے آیا کہ کمیٹی کو رات ۱۲ بجے کہاں سے چاند نظر آ گیا اور یہ چاند نظر آنے کا کونسا وقت تھا؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہمیشہ اور ہر مرتبہ کمیٹی کو چاند نظر آنا ضروری نہیں، بلکہ اگر کمیٹی کو ملک کے کسی علاقہ سے معتبر گواہیاں موصول ہو جائیں اور پوری تحقیق کے بعد کمیٹی کو اطمینان حاصل ہو جائے تو بھی کمیٹی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، پھر اگر چاند کا معاملہ کسی ایک شہر کی حد تک محدود ہو تو فیصلہ میں زیادہ دشواری اور تاخیر کی ضرورت نہیں، لیکن اگر فیصلہ پورے ملک کے لئے ہو اور اس ملک کے ایک حصہ میں سورج غروب ہونے کا وقت دوسرے حصہ کے مقابلہ میں تاخیر سے ہو تو جب تک آخری حصے میں چاند کی رؤیت کے امکانات ہوں اس وقت تک شہادتوں کا انتظار کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ملک کے مشرقی یا درمیان والے حصہ میں چاند کی رؤیت نہ ہو اور ملک کے مغربی آخری حصہ میں رؤیت ہو جائے۔

پھر چاند دیکھنے والوں کا صرف چاند دیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ رؤیتِ ہلال کمیٹی ان کے چاند دیکھنے سے آگاہ بھی ہو اور مرکزی کمیٹی یا ان کی طرف سے مقرر کردہ نمائندگان کے سامنے یہ چاند دیکھنے کی گواہی بھی دیں، اور پھر ان کی گواہی کو اچھی طرح پرکھا جائے اور سچ و جھوٹ اور حقیقت و غیر حقیقت میں تمیز پیدا کرنے کے لئے نقد و جرح کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ تمام مراحل ہمیشہ سورج غروب ہونے کے بعد

گھنٹے آدھ گھنٹے میں طے نہیں کیئے جاسکتے، بلکہ ان سب کے لئے کچھ نہ کچھ وقت درکار ہوتا ہی ہے۔
اس کے علاوہ بعض اوقات چاند دیکھنے والے ایسے علاقوں میں ہوتے ہیں کہ ان کو مرکزی کمیٹی یا ان کے نمائندگان سے رابطہ کرتے کرتے بھی کچھ وقت خرچ ہوجاتا ہے۔
ان سب باتوں کے باوجود ایسے حالات میں جبکہ ملک میں صورتِ حال یہ ہو کہ سپریم کورٹ کے اعلیٰ سطحی جج بھی بہت اہم اور ایمرجنسی فیصلے کرنے میں کئی کئی دن اور ہفتے صرف کردیتے ہوں، ملک بھر کے لئے مرکزی کمیٹی میں شامل تمام بڑے مسالک کے نمائندگان کا باہمی اتفاق رائے اتنے محدود وقت یعنی عشاء یا اس کے لگ بھگ (کچھ آگے پیچھے فرق کے ساتھ) فیصلہ کردینا موجودہ حالات میں بہت بڑی نعمت اور فضلِ خداوندی ہے۔
اور اس مرتبہ حکومت کی طرف سے ایک گھنٹہ گھڑیاں پہلے ہی آگے کی ہوئی تھیں، جبکہ طلوع وغروب وغیرہ کے اوقات اپنے اصل وقت کے مطابق ہی چل رہے تھے، ان حالات میں لوگوں کا کمیٹی پر رات کو بارہ بجے چاند نظر آنے کا الزام دھرنا سراسر بے معنیٰ اور جہالت کا شاخسانہ ہے۔
پھر اس مرتبہ محکمہ موسمیات کے مطابق چاند کی رؤیت کے امکانات بھی کم تھے (اگرچہ رؤیت ناممکن نہیں تھی) اور لوگ ایک دن بعد کا حساب لگا کر صبح عید کی تیاریوں سے بے فکر تھے۔
جب رات اصل وقت کے مطابق دس بجے اعلان ہوا، تو اس سے بہت سے لوگوں کو اپنی سوچ کے مطابق عید کی تیاری کا موقع نہیں مل سکا، اوپر سے پرائیویٹ ٹی وی چینلوں نے غیر ذمہ دارانہ بیانات وانٹرویو نشر کرکے رہی سہی کسر پوری کردی۔ جس کے نتیجہ میں عوام میں عید کے چاند کا مسئلہ ایک عوامی بحث کا میدان بن گیا۔
حالانکہ مرکزی کمیٹی (جسے چاند کے فیصلہ میں قاضی القضاۃ کا درجہ حاصل ہے) کے فیصلہ پر لوگوں اور پرائیویٹ چینلوں کا اس طرح بے باکانہ زبان درازی کرنا شرعی جرم تو ہے ہی، قانوناً بھی اصولی طور پر یہ جرائم ہی کی فہرست میں آتا ہے۔
چہ میگوئیاں کرنے والے لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا انتہائی ضروری ہے کہ وہ ان الزامات پر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی دلیل پیش کرنے کی طاقت واستطاعت رکھتے ہیں یا نہیں؟
دوسری طرف مرکزی کمیٹی سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت فقہی اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے (جن میں موسم صاف ہونے کی صورت میں جمِ غفیر کا ہونا بھی داخل ہے) اور پھر اعلان کرتے وقت پوری صورتِ حال سے قوم کو آگاہ کرنے کا اہتمام کرے، تاکہ جہالت وبدعملی کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالے اعتراضات کا کسی حد تک خاتمہ کیا جاسکے۔

Idara Ghufran

مفتی محمد امجد حسین

اسلام کے فوجداری قانون کی آفاقیت (دوسری وآخری قسط)

زیرِ نظر مضمون چند سال پہلے اسلام کے عدالتی نظام کے متعلق ایک معروف علمی ادارے کے فقہی سیمینار میں پیش کرنے کے لئے بطورِ مقالہ لکھا گیا تھا، افادیت عامہ کی غرض سے ان صفحات میں بھی پیشِ خدمت ہے۔ امجد

ان بنیادی مقدمات کے بعد جو اسلام کی جامعیت، کاملیت اور آفاقیت پر دال ہیں واضح ہو کہ اسلام کی آفاقیت کا مظاہرہ زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اسلام کی تعلیمات سے ہوتا ہے۔

اسلام کا نظامِ فوجداری اپنے تکمیلی مرحلے میں اسلام کے ریاستی اور عدالتی نظم سے تعلق رکھتا ہے اور معاشرتی عدل وانصاف اور تمدن کی صلاح وفلاح کا ضامن ہے، اس لحاظ سے یہ نظامِ فوجداری، معاشرتی اور تمدنی زندگی کی بنیادی اکائی جو فرد اور ایک کنبے سے شروع ہوتی ہے اس سے لے کر معاشرتی زندگی کے سب شعبوں اور اداروں کے ساتھ مربوط اور جڑا ہوا ہے اور اسلام جس آفاقی فلاحی معاشرے کی تشکیل کرتا ہے اس میں اصلاح اور تعمیر وتطہیر کا عمل فرد اور کنبے سے ہی شروع ہوتا ہے اور بتدریج آگے بڑھتا بڑھتا معاشرے کے سب شعبوں اور اداروں کا احاطہ کرتا چلا جاتا ہے، تفصیل کا تو یہ موقع نہیں لیکن موضوع زیرِ بحث کے پسِ منظر کو سمجھنے کے لئے ہم مختصراً فرد اور کنبے سے بات شروع کرتے ہیں، جہاں سے انسانی زندگی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اور بتدریج آگے بڑھتا ہے۔

✪......انسان کی پیدائش اور وجود میں آنے کا مادی اور ظاہری سبب والدین ہیں، اسلام سب سے پہلے بچے کی مادی پرورش اور روحانی تربیت دونوں کے متعلق والدین کو پورا ایک دستور العمل فراہم کرتا ہے، بچہ والدین کے زیرِ سایہ صحیح معنوں میں اس دستور العمل سے گزرے تو عادتاً اس کی سعادت اور نیک بختی قریب قریب یقینی ہوتی ہے (الا ماشاء اللہ) اور پھر سنِ شعور تک پہنچنے کے بعد اسلام براہِ راست ایک فرد کی حیثیت سے اس سے انفرادی خطاب کرتا ہے اور قلب وقالب، اعضاء وجوارح اور حواس غرضیکہ اس کے جسم کے ایک ایک جزء اور خوشی وغمی، کامیابی وناکامی، نعمت ومصیبت وغیرہ زندگی کے ایک ایک مرحلے اور قلب کی ایک ایک حالت وکیفیت کے متعلق اسے خیر اور شر اور اچھائی وبرائی اور اللہ کی رضامندی وناراضگی

کے ضابطے اور غیر مبدل فطری قوانین سمجھا تا ہے، اس طرح اجتماعی زندگی کے پہلے مرحلے یعنی کنبے کی زندگی سے نکل کر جب وہ اجتماعی تمدنی زندگی کے ذمہ دارانہ میدانوں میں قدم رکھتا ہے تو اسلام اس مرحلے پر بھی قدم قدم پر اسے امانت و دیانت، ایفائے عہد، ہمدردی و غم خواری تحمل اور فرائض کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے اور خدا خوفی اور فکرِ آخرت کے محرکات اس کے اندر قوی کر کے اسے ہمہ وقت خود احتسابی کے کٹہرے میں کھڑا رکھتا ہے اس طرح اس کی تعمیری صلاحیتیں معاشرے کی خیر و برکت اور صلاح وفلاح کو بڑھاتی ہیں، پھر اس معاشرتی واجتماعی زندگی میں خواہ وہ کنبے کی محدود زندگی کا دائرہ ہو یا کنبے سے باہر معاشرتی تعلقات کا غیر محدود میدان ہو اسلام نے افراد کے آپس میں تعلقات، معاملات، میل جول، لین دین، رہن سہن اور بود و باش کا ایک منظّم و منضبط نظام رکھا ہے اور حقوق و فرائض کے الگ الگ خانے بنائے ہیں اور رشتے ناطے اور علائق وغیرہ کے اعتبار سے تمدن و معاشرے کا حصہ بننے والے ہر انسان کی ایک حیثیت مقرر کی ہے اور اس حیثیت کے اعتبار سے اس کے لئے ایک ضابطہ اخلاق بنایا ہے، چنانچہ والدین و اولاد کے تعلقات اور حقوق و فرائض، اس طرح میاں بیوی، بہن بھائی، ذی رحمِ محارم، خونی رشتے، مصاہرتی رشتے، رضاعت کے رشتے، پڑوسیوں کے حقوق، حاکم و رعایا کے باہم تعلقات اور حقوق و فرائض، عام مسلمانوں کے باہم حقوق وغیرہ وغیرہ سب رشتوں اور تعلقات کی حدود مقرر فرمائی ہیں، اسلام کے ان سنہرے اصولوں کی روشنی میں مسلمانوں کی جنت نظیر تمدنی اور معاشرتی زندگی وجود میں آتی ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدنی الطبع بنایا ہے، تمدنی اور معاشرتی زندگی گزارنا اس کی فطرت کا حصہ ہے اور تمدنی زندگی گزارنے کی صورت میں ہی انسان خلافت ارضی کے تقاضے پورے کرسکتا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں تصرفات کر کے اپنی شان مخدومیت کا اظہار کرسکتا ہے۔ تمدنی زندگی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بہت نفیس بحث فرمائی ہے انہوں نے تمدنی زندگی کیلئے ارتفاق کی اصطلاح استعمال فرماتے ہوئے اس کی چار قسمیں بنائی ہیں۔ [۱]

---

[۱] قد ذکرنا فیما سبق تصریحا اور تلویحا ان الارتفاق الثانی و الثالث مماجبل علیه البشر وامتازوا به عن سائر انواع الحیوان محال ان یترکوهما او یهملهما وانهم یحتاجون فی کثیر من ذالک الی حکیم ،عالم بالحاجةوطریق الارتفاقِ منها منقاد للمصلحةالکلیة الخ (باب اقامة الارتفاقات و اصلاح الرسوم حجة الله البالغه مع شرحه رحمة الله الواسعه ج۲ ص۷ ۲۱)

ارتفاق کی پہلی قسم ٹھیٹ جنگلی لوگوں کے تمدن کی ہے جو قابلِ ذکر نہیں، ارتفاق کی قسمِ ثانی شہری تمدن کی ہے اور قسم ثالث ریاست وحکومت تشکیل دے کر راعی ورعایا کی تقسیم کر کے ایک آئین ودستور کے ساتھ زندگی گذارنے کی ہے اور قسمِ رابع خلافتِ کبریٰ یعنی مرکزی نظام حکومت کی ہے جو ذیلی ریاستوں اور حکومتوں کو ایک لڑی میں پرو کر سب کو قابو میں رکھے اور آفاقی شان کے ساتھ انسانی معاشروں کو منظّم کرے، ارتفاق کی قسم ثانی اور ثالث یعنی شہری تمدن اور ریاستی نظام کو معاشرے میں جاری کرنا ان دونوں قسموں کو شاہ صاحب نے انسانی فطرت کا حصہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہی ارتفاقات کے ساتھ انسانی سوسائٹی دیگر غیر ذی عقول حیوانات کے طرزِ زندگی سے امتیاز پاتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشاء ومرضی بھی ان دونوں ارتفاقات کو قائم وباقی رکھنے کی ہے اور انبیاء کی تعلیمات انہی ارتفاقات کی اصلاح سے متعلق ہوتی ہیں، یعنی انسانی تمدن میں جہاں جہاں خرابی پیدا ہوگئی ہوتی ہے وہاں بگاڑ اور اسکے اسباب کی نشاندھی فرما کر اصلاح کا نسخہ انبیائے کرام تجویز فرماتے ہیں پھر اس ذیل میں حضرت شاہ صاحب نے ان جوگی، سنیاسی اور راھب قسم کے لوگوں کے طرز عمل اور خیالات کی تردید فرمائی ہے جو انسانی آبادیوں سے فرار ہو کر پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور غاروں میں جا کر چھپ گئے قرآن مجید میں عیسائیوں کی رھبانیت کو اصل دین سے ہٹ کر علماءِ نصاریٰ کا خود ساختہ عمل قرار دیا گیا ہے اور پھر اصلاً اپنے زعم وخیال میں جن صالح اغراض کے تحت انہوں نے یہ رھبانیت کا سلسلہ جاری کیا اس کو بھی نہ نبھا سکے۔ [1]

ارتفاقات کا حد اعتدال سے نکل کر عیاشی اور تنعم وترفہ میں داخل ہونا بھی انسانی تمدن کے لئے زہر قاتل ہے اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شاہانِ عجم اور سلطنت روما کی مثال دی ہے کہ کس طرح بگاڑ اور فساد ان باجبروت سلطنتوں کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا تھا، دونوں سلطنتوں کے طبقہ اشرافیہ اور مراعات یافتہ سوسائٹیوں نے اپنی مترفانہ زندگی کے نقشے میں رنگ بھرنے کی خاطر مطلوبہ وسائل کی فراہمی کے لئے باج وخراج کے کیسے کیسے ظالمانہ قوانین بنائے؟ رعایا ان کی خواہشات کی بھٹی کے لئے محض ایندھن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی جن کی خون پسینے کی محنت سے یہ اپنی سفلی خواہشات کے نقشے میں رنگ بھرتے تھے، اور رعایا کو اس سفاکانہ سکنجے میں جکڑے رکھنے کے لئے ''رومن لاء'' کی شکل میں پورا دستورِ سلطنت اور آئین فوجداری ان کے ممالک محروسہ میں نافذ العمل تھا، لیکن جب آئین کے تشکیل دینے

---

[1] ملاحظہ ہو: ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعو ھا حق رعایتھا فاٰتیناالذین آمنوامنھم اجرھم واکثرھم فاسقون (الحدید آیت ۲۷. تفسیر عثمانی ج۲ص ۶۵۲. بیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۱۰، ۱۱۱)

والے ایسے درندہ صفت انسان ہوں جو نفس وشیطان کے بے دام غلام ہوں اور جن کو محض اپنی سفلی خواہشات کی تسکین سے کام ہو اور مادیت سے آگے کسی بلند مقصد زندگی سے وہ نا آشنا ہوں، تو آئین جہانبانی اور نظامِ فوجداری کی وہ دقیقہ رسیاں کس کام کی جن کو آج کے اہلِ مغرب اپنے ان پیشرؤوں کی اعلیٰ دماغی اور قانون دانی کا ثبوت گردانتے ہیں۔ ۱

جب قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں میں انسانیت کی چولیں ہی ہل کر رہ گئیں تھیں اور انسانیت کی گاڑی پٹڑی سے اُتر کر ایک ڈھلوان نما راستے پر گامزن ہو کر ہلاکت کے اندھیرے غار کی طرف تیزی سے لڑھکتی جا رہی تھی، تو ''رومن لاء'' کی یہ قانونی موشگافیاں اور کھوکھلے ضابطہ ہائے تعزیر وفوجداری جو محض الفاظ کا گورکھ دھندہ تھیں وہ معاشرے کی کیا مسیحائی کرتیں؟ اس سے واضح ہے کہ کسی قوم یا تہذیب کے ریاستی اصولوں اور نظامِ فوجداری کی نافعیت اور واقعیت کا دارومدار فرد اور کنبے سے لے کر مجموعی تمدن تک ان کے پورے نظامِ معاشرت اور معاشرتی زندگی میں عدل اجتماعی کے نفوذ کے ساتھ ہے، معاشرہ جب اندر سے کھوکھلا ہو اور اس کے بالائی طبقات سیرت وکردار سے محروم اور ظلم وجور کے پتلے اور زیرِ دست طبقات ڈھول ڈنگروں کی سی زندگی گذارنے پر مجبور ہوں تو اعلیٰ سے اعلیٰ ریاستی قوانین محض ایک دماغی فلسفہ بن کر رہ جاتے ہیں، معاشرہ کی صلاح وفلاح کی ان سے قطعاً امید نہ رکھنی چاہئے۔

یہ تو ایران وروم کے مادی تمدن کی آئینی ودستوری کرشمہ سازیوں کا حال تھا، تاریخ کے ان تاریک ادوار میں مذہبی آئین ودساتیر اور ضابطہ ہائے فوجداری کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا، ہند جہاں بُت پرستی کے مذہب کا دور دورہ تھا وہاں منوسمرتی ۲ کی مذہبی دستاویز کی شکل میں ذات پات کی تقسیم ۳،

---

۱ اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قروناً كثيرةً وخاضوا فی لذة الدنيا ونسوا الدار الآخرة واستحوذ عليهم الشيطان تعمقوا فی مرافق المعيشة وتباهوا بهاوورد عليهم حكماء الآفاق يستنبطون لهم دقائق المعاش ومرافقه فما زالوا يعملون بها.................. فدخل كل ذلك فی اصول معاشهم وصار لا يخرج من قلوبهم الا ان تمزغ وتولد من ذلك داء عضال دخل فی جميع اعضاء المدنية وافةً عظيمة لم يبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم وغنيهم وفقيرهم (رحمة اللہ واسعة شرح حجة الله البالغة ج ۲ ص ۲۲۸)

۲ منوجی نے تین سو برس قبل مسیح میں جب ہندوستان میں برہمنی تہذیب عروج پر تھی ہندوستانی سماج کے لئے یہ مذہبی صحیفہ مدون کیا تھا اور اس نے بہت جلد ملکی قانون وآئین اور مذہبی دستور کی حیثیت حاصل کر لی، اس مجموعہ کو آج ہم منوشاستر کے نام سے جانتے ہیں (دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۶۳)

۳ قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبود کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازؤں سے اور اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن ،چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا (منوشاستر باب اول سے اقتباس)

چھوت چھات، طبقاتی تفاوت اور نسلی اقدار کے لحاظ کے لئے جو فوجداری ضابطے بیان ہوئے ہیں اس سے جس قسم کے تمدن کی تعمیر ہوئی وہ بجائے خود انسانی اقدار اور فطری مسلمات کی تخریب پر مبنی تھا۔

اسلامی تمدن و معاشرت کا جو خاکہ پیچھے کھینچا گیا ہے وہ مثبت شکل میں اس کی تصویر کا ایک رُخ تھا، تصویر کا دوسرا رُخ معاشرتی بگاڑ و فساد کی روک تھام اور بُرائیوں کا سدِ باب ہے، اسلامی تعلیمات میں اس سلسلہ میں سب سے بنیادی چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عمومی انقلابی تعلیم ہے جس کو قرآن میں اس امت کی امتیازی اور اعزازی خصوصیت قرار دیا گیا ہے۔ [1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اسلام میں منظّم فلسفہ اور مربوط احکام ہیں، اور اس کی حدود و قیود کا ایک پورا دائرہ کار ہے کنبے کی زندگی سے یہ عمل شروع ہوتا ہے اور پورے معاشرے میں پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں ازالۂ منکر کے لئے شریعت نے حسبِ قدرت و وسعت تین درجے رکھے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں:

"عن ابی سعید ن الخدری عن رسول اللہ ﷺ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان رواہ مسلم" (مشکوۃ ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف)

واضح رہے کہ لفظ "منکر" شریعت کی بہت جامع اور وسیع الجہت اصطلاح ہے جس کے ذیل میں برائی اور بگاڑ کی تقریباً سب شکلیں آ جاتی ہیں۔

پھر ازالہ منکر کے لئے جب فرد کی سعی کار آمد ثابت نہ ہو تو شریعت نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے جرم اور منکر (برائی) ہونے والے کے ساتھ اجتماعی معاشرتی مقاطعہ کا حکم دیا ہے کہ جب مرتکب اس خرابی پر اصرار کرے جس کا لازمی نتیجہ معاشرے میں اس خرابی کے پنپنے کی صورت میں نکلے گا تو اس کے سد باب کے لئے اجتماعی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کی شکل میں اس کی زندگی تلخ و ناگوار کردی جائے گی اس طرح اسلامی شریعت معاشرتی سطح پر تعلیم و تربیت اور خدا طلبی کے اجتماعی ماحول کی ایسی فضا بناتی ہے کہ کنبے کی زندگی میں اور کنبے سے باہر کی معاشرتی زندگی میں فرد کے اندر

---

[1] ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون (آل عمران ۱۰۴، بیان القرآن ج۲ ص ۴۴) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ الخ (آل عمران آیت ۱۰۹، بیان القرآن ج۲ ص ۴۷)

خداخوفی، فکرِ عقبیٰ اور شوقِ آخرت کے جذبات پنپتے اور اُبھرتے ہیں اور برائی اور جرم سے باز رہنے کی قوتیں باہر کے خارجی قوانین سے زیادہ اس کے اندر نشو ونما پاتی ہیں اس طرح وہ تنہائی میں بھی کسی بُرائی یا خیانت کا ارتکاب قانون کے ڈر سے نہیں محض اللہ کے خوف کی وجہ سے کرنے سے باز رہتا ہے، آج دنیا مادیت کے چکر میں پھنس کر ان آسمانی اصول تمدن اور روحانی نسخہ ہائے شفا سے محروم ہوگئی، تو آئین وقوانین کے وسیع دفاتر اور جرائم کی روک تھام کے لاتعداد ادارے رات دن ایک محدود سے مقصد یعنی امنِ عامہ کے حصول کے لئے لگے ہوئے ہیں، لیکن نتیجہ صفر ہے جبکہ شریعت جو نظامِ معاشرت فراہم کرتی ہے اس سے دنیا آخرت کے سارے مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ معاشرتی عدل اور امن وسکون بھی حاصل ہوتا ہے۔

اسلام ان سنہرے تمدنی اصولوں کو زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کرکے ایک حقیقی آفاقی اور فلاحی معاشرہ تشکیل دیتا ہے، یہی معاشرہ جب ریاست اور نظامِ حکومت کی تنظیم وتشکیل کرتا ہے تو اس کی ساری خوبیاں ریاستی نظام کی شکل میں مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہیں اور عدل اجتماعی کا نظام معاشرے میں اپنی بہار دکھاتا ہے اس نظام کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام نے ریاست وحکومت کا جو دستور اور منشور مرتب کیا ہے، اس میں برائی کا جرم کی شکل اختیار کرنے کی صورت میں سزاؤں کا تعین بھی فرمایا ہے، جرم وسزا کا یہ نظام ہی فوجداری قوانین سے عبارت ہے۔

اسلام میں سزاؤں اور عقوبات کی بنیادی قسمیں دو ہیں حدود وقصاص اور تعزیرات، اس کے علاوہ سزاؤں کی ابتدائی قسم شرعی کفاروں کی ہے مثل کفارہ یمین، کفارہ صوم وغیرہ جو نظامِ قضاء سے ہٹ کر خود ایک شرعی فریضہ کی شکل میں فرد پر لاگو کی گئی ہے اور فرد کو اپنے اوپر خود ہی اس کے اجراء کا مکلّف بنایا ہے۔ [۱]

باقی دونوں قسم کی سزاؤں حدود اور تعزیرات کے نفاذ کا اختیار اسلامی ریاست اور حکومت کو دیا ہے کیونکہ حکومت کو ہی تمام رعایا پر ولایتِ عامہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے تسلط اور قوت کے زور پر معاشرے سے

---

[۱] کفارہ صوم: لواکل اوشرب ما یتغذی به او مایداوی به فعلیه القضاء والکفاره والکفارة مثل کفارة الظهار لحدیث الاعرابی فقال یارسول الله هلکت واهلکت راوه الستة (هدایه ج ۱ ص ۲۱۹) والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالواالخ (المجادلة آیت ۳، ۴، بیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۳۴، هدایه ج ۲ ص ۴۱۱) لایؤاخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان (المائده آیت ۸۹، بیان القرآن ج ۳ ص ۵۶، هدایه ج ۲ ص ۴۸۱) لان الحدود والکفارات عنده زاجرة للناس عن الارتکاب لاساترة ومزیلة للمعصیة (نورالانوار ص ۶۳)

ہر قسم کے جرائم کا خاتمہ کرسکتی ہے عوام کو آپس میں خود ایک دوسرے پر سزاؤں کا اجراء اور ظلم و زیادتی کا بدلہ لینے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے تو زمین فساد سے بھر جائے اور عام ابتری پھیل جائے پس اللہ تعالیٰ نے ریاست و حکومت کی تشکیل کرکے تنظیمی زندگی گزارنے کا جذبہ لوگوں کی طبیعتوں میں رکھ دیا ہے جیسا کہ پیچھے ارتفاق کی بحث میں ذکر ہوا، البتہ تعزیرات کو اگر اپنے وسیع مفہوم میں لیا جائے تو اس کی ابتدائی شکلیں خود کنبے اور معاشرے میں بھی جاری ہیں جیسے باپ کو اپنی اولاد، شوہر کو بیوی، معلم کو شاگرد، آقا کو اپنے غلام و ماتحت اور مصلح کو اپنے مسترشد کی اصلاح و تربیت کے لئے تنبیہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ [۱]

تعلیم اور اصلاح کے باب میں تو دوسرے فریق کی طرف سے ماتحتی اور تابعداری کا التزام کرکے یہ حق فراہم ہوتا ہے جبکہ باپ اور شوہر اور آقا کو خود شریعت نے تعلیم و تربیت اور اصلاح کی مصلحت اور اچھی معاشرت قائم کرنے کی غرض سے یہ حق دیا ہے، اور شوہر اور باپ کو راعی بنایا ہے، بلکہ راعی اور رعایا کی محدود درجے میں اور بھی جو جو صورتیں پائی جائیں سب میں شریعت کا حکم اور منشاء یہی ہے کہ راعی رکھوالی کا حق ادا کرتے ہوئے ماتحتوں کے اصلاح احوال میں کوتاہی نہ کرے، جس میں حسبِ ضرورت تنبیہ بھی شامل ہے۔ [۲]

بہر کیف حدود سے مراد تو وہ سزائیں ہیں جو متعینہ طور پر کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہیں اور ان میں ردو بدل اور قانون سازی کا ریاست کو یا کسی بھی ادارے کو اختیار نہیں۔ حدود کے ذیل میں یہ سزائیں آتی ہیں حد زنا [۳]

---

[۱] وفی القنیة: لہ اکراہ طفلہ علی تعلم ا لقرآن وادب وعلم لفریضة علی الوالدین ولہ ضرب الیتیم فیما یضرب ولدہ ،وفی الشامیة (قولہ وفی القنیةالخ)وفیھا عن الروضة ولو امر غیرہ بضرب عبدہ ھل للمامور ضربہ بخلاف الحر قال فھذا تنصیص علی عدم جواز ضرب ولدالامر بامرہ بخلاف المعلم لان المامور یضربہ نیابة عن الاب لمصلحة والمعلم یضربہ بحکم الملک بتملیک ابیہ لمصلحة الولد ۱ ۵ (شامی ج۳ص ۱۹۵ احسن الفتاویٰ ج۵ص ۵۰۸)فیتعین الافتاء بولایة ضمہ لکل من یوتمن علیہ من تحاربہ ویقدر علی حفظہ فان دفع المنکر واجب علی کل من قدر علیہ لاسیما من یلحقہ بمارہ وذلک ایضا من اعظم صلة الرحم والشرع امر بصلتھا وبدفع المنکر ما امکن قال تعالیٰ ان اللّٰہیامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی (النحل آیت ۹۰)

[۲] یعزر المولی عبدہ والزوج زوجتہ الی قولہ علی الخروج من المنزل بغیر حق والضابط کل معصیة لاحد فیھا فللزوج والمولی التعزیرمن حد او عزر فھلک قدمہ ھدر الا امرأة عزرھا زوجھابمثل مامرفماتت لان تادیبہ مباح فیتقید بشرط السلامہ الخ(شامی ج۳ص ۱۹۵)"الاکلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ"قال فی شرح التنویر ویقیمہ کل مسلم حال مباشرة المعصیة قنیہ واما بعدہ فلیس ذالک لغیر الحاکم والزوج والمولی کما سیجیئ (شامی ج۳ص ۱۸۶)

[۳] الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائة جلدة ولاتاخذکم بھما رأفة من دون اللہ الخ(النور آیت ۲.ھدایہ ج۲ص ۵۰۶)

حدقذف ۱؎ حدسرقہ ۲؎ حدشرب ۳؎ حدقطع الطریق ۴؎ اوراس کے ساتھ ساتھ قصاص کی سزا ہے۔ ۵؎ یعنی جان کے بدلے جان عضو کے بدلے عضواورزخم کے بدلے زخم البتہ قصاص میں حق عبد کی شان زیادہ نمایاں ہونے کی وجہ سے اس میں ولی کومعاف کرنے،صلح کرکے دیت لینے کا بھی اختیار دیا گیا ہے لیکن جب سزا جاری کی جائے گی تو قصاص کی سزا متعین ہے،اس میں ردوبدل نہ کیا جائے گا،اس کے علاوہ ارتداد کی صورت میں شریعت نے قتل یاحبس کی سزا رکھی ہے اوراس کا اختیار بھی ریاست کودیا ہے،اورمرتد کومہلت دی جاتی ہے اس کوکوئی مغالطہ یااشکالات ہوں توان کا ازالہ کیا جائے گا پھراگروہ ارتداد سے باز آجائے توسزا اٹھادی جائے گی، ۶؎ حدود کی ان سزاؤں کواگراسلام کے بنیادی آفاقی مقاصد کے تناظر میں دیکھا جائے توان میں سے ہرسزا کسی ایک مقصدِ شرعی کی نگہبان اوراس کی تکمیل کرنے والی نظرآتی ہے اس طرح ان میں آفاقیت کی ایسی شان پائی جاتی ہے جوزمان ومکان کی حدبندیوں سے بالاتر ہے اس لئے شریعت نے ان کومتعین فرماکرغیرمبدل دائمی قانون کی صورت دےدی جس میں ترمیم کا نبی کوبھی اختیارنہیں دیا،اورنہ ہی کسی زمانے میں ریاست وحکومت کے لئے اس میں لچک چھوڑی ہے۔

۱؎ والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولٓئک هم الفسقون(النور آیت ۴،هدایه ج۲ص ۵۲۹)

۲؎ والسارق والسارقة فاقطعوا ایيهما جزاء بما کسبا نکالا من الله والله عزیزحکیم (المائدة آیت ۳۸،هدایة ج۲ص۵۳۷)

۳؎ عن السائب بن یزید قال کان یؤتی بالشارب علی عهد رسول الله وامرة ابی بکر وصدرا من خلافة عمر فنقوم علیهم بایدینا ونعالناواردیتنا حتی کان آخر امرة عمر فجلد اربعین حتی اذا عتواوفسقواجلد ثمانین رواه البخاری(هدایة ج۲ص۵۳۷،مشکوٰة ص۳۱۵)عن ثور بن یزید الدیلمی قال ان عمر استشار فی حد الخمر فقال له علی اری ان تجلد ثمانین جلدة فانه اذا شرب سکر اوذا سکر هذی واذا هذی افتری فجلد عمر فی حد الخمر ثمانین رواه مالک(مشکوٰة ج۲ص۳۱۶باب حدالخمر)

۴؎ انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفو من الارض الخ(المائدة ۳۳، هدایه ج۲ص۵۵۵)

۵؎ یاایهاالذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شئ فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة(البقرة ۱۸۹)وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو کفارة له(المائده۴۸)

۶؎ ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم فی الدنیا والاخرة فاولٓئک اصحب النار هم فیهاخلدون(البقره۲۱۷،معارف القرآن ج۱ص ۵۲۰ ،هدایة ج۲ص۶۰۰)کیف یهدی الله قوماً کفروا بعد ایمانهم (النساء آیة ۱۳۷) فان ارتد رجل عن الاسلام استتابه الامام فان تاب والاقتل (النتف ۴۲۴)

چنانچہ مقاصدِ شریعت [1] جن پر فقہاء نے اسلامی قوانین کی پوری عمارت کھڑی کی ہے درج ذیل ہیں، دین کی حفاظت، جان کی حفاظت (اس میں عزت وآبرو کی حفاظت بھی شامل ہے)، مال کی حفاظت، عقل کی حفاظت اور نسل کی حفاظت، ظاہر ہے کہ جب تک انسان انسان ہے اور دنیا کے اس نظامِ زندگی میں شامل ہے بلاقیدِ زمان ومکان مذکورہ چیزوں کا تحفظ اور سلامتی کی ضمانت اس کی بنیادی ضروریات ہیں اور دنیا کے تمام ادیان اور ملل انہی چیزوں کی حفاظت کی اپنے اپنے انداز میں ضمانت دینے کی دعویدار رہی ہیں، اب حدود وقصاص کے چارٹ پر نظر ڈالو تو قصاص کا قانون جان کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہوا نظر آتا ہے، حدِ سرقہ مال کی حفاظت کا قانون ہے، حدِ زنا نسل کو محفوظ رکھنے اور حسبِ نسب کو خلط ملط ہونے سے بچاتا ہے، حدِ شرب عقل کا محافظ ہے، جس پر تمام تکلیفاتِ شرعی اور عُرفی کا مدار ہے، حدِ قذف عزت وآبرو کی حفاظت کر کے انسان کے شرفِ آدمیت کو بحال رکھتا ہے۔

اور ارتداد کی شرعی سزا کے ضابطے کو ہم دیکھیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مومن کے دین کی متاع گرانمایہ کے تحفظ کا یہ آسمانی نسخہ ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق

حد خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں بندہ کوئی تصرف نہیں کرسکتا جبکہ تعزیر [2] میں حق العبد کا پہلو غالب ہے، اس وجہ سے اس کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور موقعہ محل، جرم کی نوعیت، مرتکب کی حالت وغیرہ کے اعتبار سے صوابدیدی طور پر کسی بھی نوع کی سزا تجویز کی جاسکتی ہے، اور ضرب کی سزا تجویز کرنے کی

---

[1] تکالیف الشرعية ترجع الى حفظ مقاصدها فى الخلق وهذه المقاصد لاتعدو ثلثة اقسام احدها ان تكون ضرورية والثانى ان تكون حاجبة والثالث ان تكون محسيسنة فاما الضرورية فمعناها انهالابد منها فى قيام مصالح الدين والدنيا بحيث اذا فقدت لم تجر المصالح الدنيا على استقامة بل على فساد وتهارج وفوت حياة وفى الاخرىٰ فوت النحاة والنعيم والرجوع بالخسران المبين سبب ومجموع الضروريات خمسة وهى حفظ الذين والنفس والنسل والمال والعقل وقد قالوا انها مراعاة فى كل ملة(الموافقات الجزالثانى ص ۲۰۲ النوع الاول فى بيان قصد الشارع فى وضع الشريعه)

[2] اما التعزير فانه تاديب السلطان وهو دون الحد ولا يبلغ به الحد لقوله عليه السلام من بلغ به حداً فى غير حد فهو من المعتدين (اخرجه البيهقى عن النعمان ابن بشير)واقل التعزير سوط واحد وفى اكثره اختلاف فقال مالک يعزره بمايرى بلغ الحد او لم يبلغ وقال ابوحنيفه وقال ابو عبد الله يعزره تسعة وثلاثون سوطاً ويروى عن ابى يوسف انه قال اكثره خمس وسبعون سوطاً وذالک انه كان داب الجلاد اذ ذاک ان يضرب خمساً خمساً وقال بعضهم اكثره تسع وسبعون سوطاً ويجوز للسلطان ان يترک التعزير ويجوز ان ينقص منه ويجوز التشفع فيه ايضاً وكل هذا فى الحدود باطل(النتف ص ۳۹۸)

صورت میں جمہور فقہاء نے کوڑوں کی تحدید بھی کی ہے اور اس کو حد کی سزا سے کم رکھا ہے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حد کے علاوہ سزاؤں میں حد کے برابر سزا دینے کو زیادتی قرار دیا گیا ہے

حد اور تعزیر میں یہ بھی فرق ہے کہ حد نابالغ پر لاگو نہیں ہوتی مگر تعزیر کا اجراء نابالغ پر بھی جائز ہے، ۱؎

حد جاری کرنے کا اختیار صرف حاکم کو ہے لیکن تعزیر کے لئے یہ قید نہیں بلکہ حالت ارتکاب جرم میں حسب اختیار وقدرت ہر مسلمان مجرم کو تعزیر و تنبیہ کرسکتا ہے، لیکن ارتکاب جرم کے بعد بلا اجازت محتسب کوئی آدمی مجرم کو سزا نہیں دے سکتا، اس طرح جو تعزیر دعویٰ اور شہادت پر موقوف نہیں، اس کو قاضی کے بجائے محتسب بھی جاری کرسکتا ہے، البتہ جو تعزیرات دعویٰ کے ساتھ ثابت ہوتی ہیں ان پر صرف حاکم یا قاضی ہی تعزیر کرسکتا ہے یا فریقین نے جس کو حکم تسلیم کیا ہو وہ تعزیر کرسکتا ہے (کتاب الاختیار ص ۱۵۶)

واضح رہے کہ محکمۂ احتساب اسلامی نظام حکومت میں امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے نظام کو معاشرے میں جاری کرنے کے لئے ایک مستقل نیم عدالتی ادارہ ہے جس کے متعلق اجرائے معروفات اور ازالۂ منکرات کا وسیع نظام ہوتا ہے وقتی اور فوری ضرورت کے اکثر اقدامات یہ محکمہ بجالا کر معاشرے سے زندگی کے مختلف شعبوں کے منکرات اور مظالم کا قلع قمع کرتا ہے اور جو معروفات معاشرے سے اٹھ رہی ہوں اور مٹ رہی ہوں ان کو قائم کرتا ہے ۲؎

تعزیر میں سفارش جائز ہے حد میں نہیں البتہ وہ تعزیر جو حق العبد سے متعلق ہو وہ صاحب حق کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوسکتی ہے اس کی رضامندی کے بغیر حاکم معاف نہیں کرسکتا (کتاب الاختیار ص ۱۵۷)

اسی طرح تعزیر میں لوگوں کے مراتب وطبقات کے اعتبار سے مختلف درجے ہیں سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکا جائے گا کیونکہ اشراف واہل علم اور رزیل وجہلاء کی جس طرح طبیعتوں اور عادات میں فرق ہے جو کہ بدیہی امر ہے اسی طرح ان کی تعزیر میں بھی فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ تعزیر میں مقصود مرتکب کو احساس دلانا اور اس طور پر زجر کرنا ہے جو اسے اس برائی کے اعادے سے باز رکھے پس جس طبقہ کے لوگوں میں جس طرح سے یہ مقصد حاصل ہو ان کے مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی قدر ان کو تنبیہ وتعزیر کی

۱؎ ان الحدود لایجب علی الصبی والتعزیر شرع علیه (رد المحتار ۲۴۵/۳، بحواله اسلام کا نظام امن ص ۳۸۰)
شک وشبہ سے حد ساقط ہوجاتی ہے جبکہ تعزیر شبہ کے باوجود جاری کی جاسکتی ہے
ان الحد یدرأ بالشبهات والتعزیر یجب معها (شامی ۲۴۵/۳)

۲؎ هو امر بالمعروف اذا ظهر ترکه ونهی عن المنکر اذ ظهر فعله (الاحکام السلطانیة للماوردی ص ۲۴۰)

Idara Ghufran

جائے گی (کتاب الاختیار ص ۱۶۰) اور تعزیر کا مدار چونکہ مصلحت اور مرتکب کی حالت پر ہے پس اگر حاکم مرتکب کی حالت اور جرم کی شناعت کے اعتبار سے تعزیراً و سیاسۃً قتل یا حبس یا اس قسم کی اور کسی بڑی یا مؤثر سزا میں مصلحت سمجھے تو اس کو جاری کر سکتا ہے (ایضاً ۱۶۱)

تعزیر بالمال

تعزیر میں اخذ مال کو جمہور فقہاء نے جائز نہیں قرار دیا البتہ احناف میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ حاکم کے لئے تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں لیکن اس قول کو صرف اس حد تک قابل عمل قرار دیا گیا ہے کہ حاکم یہ مال یا جائداد محبوس رکھے اصلاح حال اور تنبیہ ہو جانے کے بعد مالک کو لوٹائے اس مال کو بیت المال میں جمع کرانا یا کسی تصرف میں لانا حاکم کے لئے جائز نہیں۔ دوسری طرف تعزیر بالمال کے جواز کے قائلین نے روایات و آثار سے تعزیر بالمال پر متعدد نظائر پیش کیے ہیں لیکن مانعین نے بالعموم ان کو تعزیر فی المال پر محمول کیا ہے، یعنی اس سے مراد ایسی صورتیں ہیں جن میں وہ مال یا چیز اس جرم کے ساتھ مباشرۃ کا تعلق رکھتی ہو تو جرم کے سدباب کے لئے بطور تعزیر ان چیزوں کو ضائع کر دیا جائے گا جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

انہ یھدم البیت علی من اعتاد الفسق وانواع الفساد فی دارہ حتی لاباْس بالھجوم علی بیت المفسدین وھزم عمر علی نائحۃ فی منزلھا وضربھا بالدرۃ حتی سقط خمارھا فقیل لہ فیہ فقال لاحرمۃ لھا بعد اشتغالھا بالمحرم والتحقت بالاماء ....وعن عمر انہ اخرق بیت الخمار الخ (رد المحتار ج۴ ص ۶۱ تا ۶۶)

یہ اسلام کے فوجداری قانون کا ایک طائرانہ جائزہ تھا جس کا حاصل اور خلاصہ نکات کی شکل میں درج ذیل ہے:

﴿الف﴾...... اسلام کا فوجداری قانون اسلام کے مجموعی نظام کا ایک حصہ ہے، اور اسلام کے تمام شعبے آپس میں اس طرح مربوط اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک شعبے کے پورے ثمرات و مقاصد کا حصول دوسرے شعبوں پر موقوف ہوتا ہے، اگر ایک شعبے کے احکامات و تعلیمات کی بجا آوری کی جائے اور دوسرے کسی ایک یا زیادہ شعبوں کی تعلیمات کو نظر انداز کیا جائے تو اس بجا آوری والے شعبے کی بھی تمام منفعتیں حاصل نہ ہو سکیں گی اور ایک شعبے میں پیدا ہونے والا نقص دوسرے شعبوں کو بھی متأثر کرے گا اور اس کے مختلف شعبوں کی آفاقیت ان شعبوں کی ذاتی جامعیت کے علاوہ اس مجموعی دین اور ملت کی جامعیت اور کاملیت اور آفاقیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

﴿ب﴾......اسلام کی تعلیمات ظاہری تسلیم وانقیاد کے ساتھ ساتھ ہر ہر مرحلہ میں باطنی خودسپردگی اوراحساس ذمہ داری پر زور دیتی ہیں، اور آدمی کے قلب میں تعلق مع اللہ اور فکر آخرت کی اتنی مضبوط بنیاد قائم کرتی ہیں کہ وہ قانونی جکڑ بندیوں سے پہلے ہی رضا کارانہ طور پر مثالی سیرت وکردار کا اپنے آپ کو حامل بنالیتا ہے۔

﴿ج﴾......اسلام انسانی تمدن اور معاشرت کی اٹھان ریاست کے نظام کی تشکیل سے نہیں بلکہ فرد کی اصلاح سے شروع کرتا ہے، اور بتدریج کنبہ، خاندان، معاشرہ اور ریاست کی تشکیل وتنظیم کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے حتی کہ ایک آفاقی فلاحی تمدن وجود میں آجاتا ہے جس کا نمونہ خلافت راشدہ کے آفاقی اسلامی معاشرت وتمدن کی شکل میں اپنے کامل درجہ میں دنیا نے مشاہدہ کیا، اوراس کے بعد بھی لگ بھگ ہزار سال تک درجات کی کمی بیشی کے ساتھ اسلام کا آفاقی تمدن دنیا میں اپنی بہار لٹاتا رہا، پس معاشرتی ڈھانچہ کو صحیح آسمانی تعلیمات کی رہنمائی میں مستحکم کیے بغیر کوئی آئین یادستور خواہ وہ کتنا ہی دوررس تصورات پرمبنی ہو محض مادی بنیادوں پر انسانی معاشرہ کی فلاح کا ضامن نہیں بن سکتا، فارس وروم کے مادی دستور اور آج دنیا بھر کی حکومتوں کے سیکولر آئین ودساتیر اس حقیقت پر گواہ ہیں۔آج معاشرے کو امن وچین کا گہوارہ بنانے کے لئے سارے قدرتی اور انسانی وسائل داؤ پر لگادئے جاتے ہیں، بے شمار اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے لیکن قوموں اور معاشروں کا بگاڑ اور فساد آج ہر زمانے سے کہیں زیادہ ہے۔

جس قدر تسخیر شمس وقمر ہوتی گئی　　دنیا تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی

﴿د﴾......اسلام کے قوانین جرم وسزا شریعت مطہرہ کے آفاقی مقاصد پنجگانہ (یعنی دین، نسل، جان، مال اور عقل کا تحفظ) سے پورے طور پر ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے آفاقیت کی شان رکھتے ہیں اور ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک اسلامی معاشروں اور سلطنتوں میں جرم وسزا کے یہی غیر مبدل آفاقی قوانین جاری رہے جس کی وجہ سے ان سلطنتوں اور معاشروں کا سکہ مشرق ومغرب میں چلتا رہا اور انسانیت فلاح کے راستوں پر گامزن رہی اور پھر انہی آفاقی قوانین سے بغاوت اور روگردانی اختیار کر کے مسلمانوں کی سلطنتیں پیوند زمین ہوئیں

اور معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر تتر بتر ہو گئے، پس آج بھی عالمگیر انسانی بگاڑ اور فساد جو لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اس کا ازالہ فطری اصولوں پر مبنی انہی ربانی قوانین اور آسمانی آئین کو اختیار کرنے سے ہوگا۔

﴿۵﴾......مسلمان معاشروں اور ملکوں کو ذلت وادبار کی دلدل سے نکالنے کے لئے اسلام کی طرف رجوع کا عمل فرد اور کنبے کی زندگی سے لے کر ریاست اور سٹیٹ کے نظام تک سب میدانوں میں ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کسی ایک میدان میں اصلاح کی کوشش کرنے سے مکمل مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔

وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون الآیۃ

ومن لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الظالمون الآیۃ

(بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام) (اضافہ واصلاح شدہ چوتھا ایڈیشن)

ذُوالحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام

اس رسالہ میں اسلامی سال کے بارہویں مہینے یعنی ''ماہِ ذی الحجہ'' سے متعلق فضائل ومسائل اور بدعات ومنکرات کو مفصّل ومدلّل اور سہل انداز میں جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ماہِ ذی الحجہ خصوصاً عشرۂ ذی الحجہ، شبِ عید، عیدُ الاضحیٰ اور قربانی کے بارے میں قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے فضائل ومسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے ساتھ ہی عقیقہ کے فضائل ومسائل بھی تحریر کئے گئے ہیں، اور معتبر کتبِ فقہ وفتاویٰ کے حوالہ جات بھی پیش کیے گئے ہیں، اسی کے ساتھ موجودہ دور میں ان چیزوں سے متعلق پائے جانے والے منکرات وبدعات کو بھی معتدل طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح یہ رسالہ بحمداللہ تعالیٰ فضائل ومسائل، دلائل ورذائل کا مجموعہ بن گیا ہے۔

مصنّف: مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

بسلسلہ: فقھی مسائل (نمازکی شرائط کا بیان)

مفتی محمدامجد حسین

نمازی کے کپڑوں اورنماز پڑھنے کی جگہ کی طہارت

جو چیزیں نمازکی صحت کے لئے ضروری ہیں لیکن نماز سے خارج اور نماز پر مقدم ہیں ان کونماز کی شرائط کہتے ہیں۔ایسی معروف شرائط سات ہیں:

(۱) نمازی کے بدن کا پاک ہونا **(۲)** لباس کا پاک ہونا **(۳)** نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا **(۴)** قبلہ کی طرف منہ کرنا **(۵)** نماز کا وقت ہونا **(۶)** ستر کا چھپانا **(۷)** نیت یعنی نماز کا ارادہ کرنا

ان میں سے نمازی کے بدن کی پاکی کا بیان تفصیل کے ساتھ پیچھے پاکی ناپاکی کے مسائل میں گزر چکا ہے۔

دومزید شرائط یعنی نماز کی جگہ کی طہارت اور نمازی کے لباس کی طہارت کاتعلق بھی پاکی ناپاکی سے ہے، اس لئے پہلے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نمازی کے لباس کی پاکی

جو کپڑے نمازی کے بدن پر ہوں سر سے پاؤں تک جیسے ٹوپی، عمامہ، کرتا، پائجامہ، جراب، موزہ، کوٹ، واسکٹ، رومال، بنیان، دوپٹہ، اچکن وغیرہ ان سب کا پاک ہونا ضروری ہے یعنی ان پرنجاست غلیظہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ اور نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے کے حصہ تک نہ ہونا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے۔اس مقدار سے کم نجاست غلیظہ یا خفیفہ ہوتو نماز تو ہوجائے گی لیکن مکروہ ہوگی۔نجاست کی مقدار کے متعلق مزید تفصیل اس میں بدن کی طہارت کی طرح ہے جو پیچھے گزر چکی ہے۔

اگر نمازی کے بدن پرایسا کپڑا ہوکہ وہ بہت بڑا ہو(مثلاً بڑی چادر) اوراس کا فاضل حصہ بدن سے الگ ہے(زمین وغیرہ پر پڑا ہوا ہے) اوراس فاضل حصہ پر قدر معافی سے زیادہ نجاست لگی ہوئی ہے تو اگر وہ نجس وناپاک حصہ نمازی کی حرکت سے یعنی اٹھنے بیٹھنے سے حرکت کرتا ہے تو نماز جائز نہ ہوگی اوراگر حرکت نہیں کرتا تو نماز جائز ہوگی۔

اسی طرح وہ چیز بھی پاک ہونی چاہئے جس کو نمازی اٹھائے ہوئے ہو بشرطیکہ وہ چیز اپنی قوت سے ٹھہری ہوئی نہ ہو جیسے نمازی کے بدن سے کوئی ایسا چھوٹا بچہ چمٹ گیا یا نمازی پر چڑھ گیا یا نمازی نے اسے خود اٹھایا جو اتنا چھوٹا ہے کہ خود سنبھلنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس بچہ کے بدن یا کپڑوں پر قدر معافی سے زیادہ نجاست لگی ہے اور وہ بچہ اس حالت میں نمازی پر اتنی دیر تک مسلط یا چمٹا رہا جتنی دیر میں تین دفعہ سبحان ربی العظیم یا سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جا سکے تو وہ نمازی نجاست اٹھانے والا شمار ہوگا اور نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس سے کم دیر وہ بچہ نمازی کے ساتھ چپکا، چمٹا رہا تو نماز فاسد نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ بچہ اتنا سمجھ دار تھا کہ خود سنبھلنے کی سکت رکھتا تھا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی خواہ اس کے بدن، لباس پر قدر معافی سے زیادہ نجاست ہو اور وہ مقدار رکن (تین تسبیحات) سے زیادہ دیر بھی نمازی کے ساتھ چپکا رہا ہو، اسی طرح کوئی ناپاک جسم والا پرندہ، مرغی وغیرہ نمازی پر بیٹھ گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنی قوت اور سہارے سے بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح نمازی کے جسم پر ایسی چیز ہو جس کی نجاست اپنی پیدائش کی جگہ میں ہو اور خارج میں اس کا کچھ اثر نہ ہو تو بھی نماز صحیح ہوگی جیسے نمازی کی جیب میں ایسا خراب انڈا ہو جس کی زردی خون بن گئی یا انڈے میں مرا ہوا بچہ (چوزہ) ہے تو نماز جائز ہے کیونکہ یہ نجس خون اور مردار اپنے مقام پیدائش میں ہے برخلاف اس کے اگر نجس چیز اپنے معدن و مقام پیدائش میں نہ ہو خواہ کس چیز میں بند اور پیک ہی ہو اس کے ساتھ نماز پڑھنے سے نماز نہ ہوگی جیسے شیشی میں شراب، یا خون یا پیشاب بند کیا ہے، اور نمازی نے یہ شیشی اپنے پاس رکھی ہے تو اس کے ساتھ نماز نہ ہوگی کیونکہ نجاست اپنے معدن میں نہیں۔

نماز کی جگہ کی پاکی

نماز کی صحت کے لئے نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا بھی شرط ہے۔ اور جگہ سے مراد نمازی کے کھڑا ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ ہے یعنی دونوں پاؤں، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور پیشانی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے آس پاس کے باقی حصۂ فرش یا حصۂ مصلیٰ کا پاک ہونا نماز کی صحت کی شرط نہیں۔ اگر ناک رکھنے کی جگہ ناپاک ہے اور پیشانی کی جگہ پاک ہے تو نماز جائز ہے۔ اگر نجاست غلیظہ نمازی کے کھڑا ہونے کی جگہ میں ایک پاؤں کے نیچے قدرِ درہم سے زیادہ ہے اور دوسرے پاؤں کے نیچے جگہ پاک ہے تو نماز جائز نہ ہوگی (ھوالاصح) اور اس صورت میں اگر ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے یعنی جس پاؤں کے نیچے جگہ پاک ہے، اس پر کھڑا ہو تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اگر

نجاست دونوں پاؤں کے نیچے مقدار درہم سے کم کم ہے لیکن دونوں کو جوڑا جائے تو مجموعہ مقدار درہم سے زیادہ ہو جائے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ اگر پاک جگہ میں کھڑا ہے اور سجدہ بھی پاک جگہ میں کرتا ہے لیکن جسم کا کوئی کپڑا (دامن، چادر، رومال، پگڑی کا کوئی گوشہ وغیرہ) ایسی جگہ پر پڑتا ہے جو نجس ہے اور خشک ہے یا نجس کپڑے پر پڑتا ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر زمین یا فرش پر خشک نجاست ہو اور اس پر کوئی کپڑا بچھایا تو اگر وہ کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجاست نظر آتی ہو یا اس کی بُو آتی ہو تو اس پر نماز جائز نہیں۔ اور اگر وہ کپڑا موٹا ہے کہ اسمیں سے نجاست نظر نہ آئے نہ اس کی بو آئے تو یہ حائل شرعاً معتبر ہوگا اور نماز درست ہو جائے گی۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نجاست اس کے قدموں، پیشانی، ہاتھ اور گھٹنے رکھنے کی جگہ میں ہو یعنی کپڑے کے نیچے کیونکہ اس وقت اس کا قیام اور سجدہ نجاست کے اوپر ہوگا، لہٰذا معتبر حائل (جیسے موٹا کپڑا) درمیان میں ہو تو نجاست کی جگہ پر یہ سجدہ صحیح ہو جائے گا ورنہ نہیں، لیکن اگر قدمین اور سجدے کے اعضاء کے نیچے نجاست نہ ہو آگے پیچھے ہو تو اس صورت میں نماز بہر حال درست ہوگی، خواہ درمیان میں حائل ہو یا نہ ہو۔ البتہ بلاضرورت و مجبوری ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

بسلسلہ: آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

سفر اور سواری کے آداب

جن چیزوں کی انسان کو اپنی معاشرتی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے، اُن میں سے ایک چیز سفر ہے؛ شریعت نے سفر کے متعلق بھی جامع ہدایات وتعلیمات فراہم کی ہیں، جن کی روشنی میں سفر کے آداب ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱)...... بلاضرورت سفر کرنے سے پرہیز کیجیے، اور جب تک کوئی معقول ضرورت پیش نہ آجائے، اُس وقت تک سفر نہ کیجیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

سفر آگ (یعنی تکلیف) کا ایک حصہ ہے، آدمی کھانے پینے اور سونے سے محروم رہتا ہے، جب ضرورت پوری ہوجائے تو گھر آنے میں جلدی کرے (بخاری ومسلم)

(۲)...... سفر تین طرح کا ہوتا ہے، یا تو سفر خالص دین کے لیے ہوتا ہے، جیسے حج، جہاد، گناہ والے مقام سے گناہ سے بچنے کی نیت سے کسی دوسری جگہ کی طرف ہجرت یا سفر کرنا یا دین کا علم حاصل کرنے، صلہ رحمی اور عیادت کے لیے سفر کرنا۔ ایسا سفر کرنا عبادت ہے۔ یا پھر دنیا کے لیے ہوتا ہے؛ جیسے تجارت، تفریح وغیرہ کے لیے سفر کرنا۔ ایسا سفر کرنے والے کو چاہیے کہ اچھی نیت کے ساتھ سفر کرے، تاکہ ثواب حاصل ہو؛ مثلاً تجارت کی غرض سے کیا جانے والا سفر اس نیت سے ہو کہ میرے ذمہ جن کا نفقہ اور حقوق ہیں، اُن کو ادا کرنے کا بندوبست ہوجائے۔ یا پھر سفر کسی گناہ کے کام کے لیے ہوتا ہے؛ جیسے ڈاکہ، چوری یا کسی کو ناحق قتل کرنے یا کسی کو جانی ومالی نقصان پہنچانے یا زناکاری وبدنظری وغیرہ یا کسی دوسرے گناہ کے کام کے لیے سفر کرنا۔ ایسا سفر کرنا گناہ اور ناجائز ہے، اس سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہئے۔

(۳)...... جائز سفر شروع کرنے سے پہلے مشورہ اور پھر استخارہ کرلینا بہتر ہے، البتہ گناہ کے کام کے لیے سفر کرنا درست نہیں، اس لیے اس کے لیے مشورہ واستخارہ کرنا بھی درست نہیں، اور مشورہ اُس شخص سے کرنا چاہیے جو دیندار، نیک نیت، سمجھدار، تجربہ کار، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔

نیک اعمال مثلاً حج، جہاد اور گناہ والے مقام سے گناہ سے بچنے کی نیت سے کسی دوسری جگہ کی طرف ہجرت یا سفر کرنا یا دین کا علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنے نہ کرنے کے متعلق مشورہ واستخارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ کام کس پر فرض ہیں اور کس پر نہیں، یہ احکام شریعت نے واضح اور متعین کردیئے ہیں، البتہ اس سلسلہ میں

مشورہ واستخارہ کیا جاسکتا ہے کہ مجھے حج کے لیے فلاں راستہ سے جانا مناسب ہوگا یا فلاں راستہ سے مناسب ہوگا، حج کی درخواست فلاں ادارہ اور فلاں جگہ سے دینا مناسب ہوگا یا فلاں جگہ سے مناسب ہوگا؟ اور فلاں رفقاء اور ساتھیوں کے ساتھ مناسب ہوگا، یا فلاں کے ساتھ؟

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ کوئی شخص کسی جائز غرض سے حج کے علاوہ کوئی اور سفر کرنا چاہتا ہے تو وہ کون سے دن و تاریخ میں سفر کرے اور کس راستے اور کس ذریعہ سے سفر کرے اور کن رفقاء کے ساتھ سفر کرے؟ ان چیزوں کے لیے بھی مشورہ واستخارہ کرنا جائز ہے۔

(۴)......جس مقصد اور غرض کے لیے سفر پر جانا ہو، اُس مقصد اور غرض سے متعلق شریعت کے احکام کا علم حاصل کر لینا چاہیے؛ مثلاً حج، جہاد، یا رزق کی تلاش میں اگر سفر پر جانا ہو تو سفر شروع کرنے سے پہلے ان کے مسائل اور احکام سیکھ لینے چاہئیں اور بہتر ہے کہ متعلقہ موضوع پر کوئی مستند کتاب بھی سفر میں اپنے ساتھ رکھ لی جائے، اور اُس کا مطالعہ بھی کر لیا جائے۔

(۵)......اگر اپنے وطن کی آبادی (خواہ شہر ہو، قصبہ یا گاؤں) سے نکل کر کم از کم اڑتالیس میل (یعنی سوا ستتر کلومیٹر) کا سفر کرنا ہو تو انسان شرعی مسافر ہو جاتا ہے، اور اس سے کم کا سفر ہو تو شرعی مسافر نہیں ہوتا؛ شرعی مسافر ہونے پر نماز کے قصر کا حکم شروع ہو جاتا ہے۔

(۶)...... جہاں تک ممکن ہو، سفر تنہا نہیں کرنا چاہیے، بہتر ہے کہ تین افراد کی جماعت اکھٹے سفر کریں؛ لیکن اگر کوئی ساتھ سفر کرنے والا نہ ہو تو پھر سفر کے دوران کسی نیک شخص کو ساتھی بنالینا چاہیے۔

(۷)......جب جماعت کی صورت میں سفر کیا جائے تو ایک کو امیر بنا لیا جائے اور امیر ایسے شخص کو بنایا جائے جو علم عمل، اور رائے کے اعتبار سے افضل ہو؛ اور سفر کے امیر کو چاہیے کہ اپنے آپ کو رُفقائے سفر کا حقیقی معنیٰ میں خادم سمجھے۔

(۸)......سفر پر جانے سے پہلے تمام گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے، اور لین دین کے تمام معاملات بے باک کر لینے چاہئیں، اگر لوگوں کے قرض ذمہ میں ہوں تو اُن کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے، اور اگر فی الحال ادائیگی ممکن نہ ہو تو وصیت لکھ لینی چاہیے؛ اور سفر سے واپسی تک اپنے زیرِ کفالت لوگوں کے اخراجات کا مناسب انتظام کر کے سفر پر جانا چاہیے، اور سفر پر جانے سے پہلے رشتہ داروں اور اقارب کو راضی کر لینا چاہیے، اور ان میں بھی وہ لوگ جن کے احسانات اس پر رہے ہوں، اُن کو راضی کرنا زیادہ اہم ہے؛ جیسے والدین کو راضی کرنا یا میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کو راضی کرے۔

(۹)......جب سفر کے لیے گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھنا سنت ہے:

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

(ترمذی، حدیث نمبر ۳۳۴۸)

(۱۰)......اگر ممکن ہو تو مسافر گھر سے نکلتے وقت کچھ صدقہ کر دے۔

(۱۱)......سفر میں باوضو رہنا بہتر ہے، اس سے نماز اپنے وقت پر پڑھنے میں سہولت رہتی ہے، اور اگر باوضو نہ ہوں یا دورانِ سفر وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے وقت پر نماز پڑھنے کا اہتمام ضروری ہے۔ [۱]

(۱۲)......سفر پر جاتے وقت اپنے گھر والوں، پڑوسیوں اور دوستوں کو الوداع کرنا مستحب ہے، اور ان لوگوں کا بھی سفر پر جانے والے کو رخصت کرنا مستحب ہے۔

(۱۳)......سفر میں طبیعت اور مزاج کے خلاف حالات پیش آتے رہتے ہیں، ان حالات سے پریشان ہو کر ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے؛ سفر میں نرمی اور خوش اخلاقی کو اختیار کرنا چاہیے، غصے، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ سے بچنا چاہیے۔

بعض اللہ والوں کا ارشاد ہے کہ سفر میں غصہ اور آرام کو گھر میں چھوڑ کر جانا چاہیے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں غصہ ساتھ نہ رکھیں، اور آرام کے بھی متلاشی نہ رہیں۔

(۱۴)......سفر کے تمام اخراجات حلال مال سے کرنے چاہئیں، خاص طور پر حج، جہاد، علم حاصل کرنے یا دوسرے نیکی کے کاموں کے لیے سفر حلال مال سے کرنا چاہیے؛ اور ممکن ہو تو سفر میں اخراجات سے زیادہ مال ساتھ رکھ لینا چاہیے، تا کہ اگر کسی وقت ضرورت پیش آ جائے تو پریشانی نہ ہو۔

(۱۵)...... جب کچھ لوگ اکھٹے سفر کر رہے ہوں، تو اخراجات میں شراکت بہتر اور برکت کا باعث ہے، لیکن اگر ناانصافی اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو سفر کے اخراجات میں شراکت کے بجائے اپنے طور پر الگ الگ خرچہ کر لینا چاہیے۔

(۱۶)......سفر شروع کرنے سے پہلے اور سفر کے دوران احتیاط کے پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ سفر کی ضروری اشیاء اور اسی طرح جس سواری کے ذریعے سفر کرنا ہو، اُس کی ضروریات اور لوازمات اپنے ساتھ رکھ لینے چاہئیں۔

حضور ﷺ جب سفر کیا کرتے تھے تو اپنے ساتھ پانچ چیزیں لے جاتے تھے (۱) آئینہ (۲) سرمہ

---

[۱] بعض لوگ ریل کے ڈبوں میں موجود پانی کو بلا دلیل ناپاک سمجھتے ہیں اور وضو نہیں کرتے، اسی طرح بعض خواتین بے پردگی کا حیلہ بنا کر وضو نماز چھوڑ دیتی ہیں، یہ سب کم علمی کی باتیں ہیں، بلا دلیل کسی پانی کو ناپاک قرار دینا درست نہیں، اسی طرح جب نماز کا وقت ہو جائے تو اپنی طرف سے ممکنہ پردہ کرا اہتمام کرتے ہوئے وضو اور نماز پڑھنا ضروری ہے، اور جتنا پردہ قدرت میں نہ ہو وہ معاف ہے، اس سے وضو نماز درست ہونے میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔

دانی (۳) مسواک (۴) کنگھی (۵) سوئی دھاگہ وقینچی (بیہقی)

غرضیکہ سفر شروع کرنے سے پہلے ضرورت کی چیزیں ساتھ رکھ لینی چاہئیں۔

(۱۷)......کوئی مجبوری نہ ہوتو سفر پیر یا جمعرات کے دن کرنا بہتر ہے؛ البتہ جمعہ کے دن اگر سفر درپیش ہوتو فی نفسہٖ جمعہ کے دن سفر کرنا شرعاً جائز ہے، اور شریعت کی طرف سے جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے سفر کی ممانعت نہیں۔

البتہ جس شخص پر جمعہ کی نماز شرعاً واجب ہو، اور وہ شہر کی حدود سے باہر ایسی جگہ جانا چاہتا ہے، جہاں کہ جمعہ کی نماز جائز نہیں ہوتی، مثلاً عام دیہات یا جنگل میں تو ایسی صورت میں جمعہ کا وقت شروع ہونے یعنی زوال سے پہلے شہر کی آبادی سے باہر نکل جانا جائز ہے، لیکن جمعہ کا وقت شروع ہونے یعنی زوال کے بعد جمعہ پڑھے بغیر سفر کرنا یا کسی ایسی جگہ جانا جہاں جمعہ نہیں ہوتا، مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

اور اس کے برعکس جس پر جمعہ واجب ہی نہیں، جیسے عام دیہات میں موجود شخص تو اُس کے لیے زوال کے بعد بھی سفر جائز ہے۔

(۱۸)......سفر کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کرنا چاہیے، جس میں وقت کم از کم خرچ ہو، اور نمازوں کے اوقات کا بھی لحاظ رہے۔

اگر ممکن ہو اور جان اور مال کا خطرہ نہ ہوتو رات کے وقت سفر کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ رات کا سفر حدیث کی رو سے سہولت کے ساتھ جلدی طے ہوجاتا ہے (مستدرک حاکم) البتہ سفر کے دوران رات کو بلاضرورت غیر آباد علاقوں میں رُکنے سے بچنا چاہیے؛ اور جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالنا ہوتو شرکائے سفر کو اکھٹے اور ایک جگہ رہنا چاہیے، دُور دُور قیام نہیں کرنا چاہیے؛ اسی طرح جہاں پڑاؤ ڈالنا ہوتو وہاں نہ زیادہ جگہ گھیرنی چاہیے، اور نہ ہی راستہ روکنا چاہیے (مثلاً اسٹیشن پر ایسی جگہ جہاں سے لوگوں کو گزرنے اور آمد و رفت میں تکلیف ہوتی ہو) لیکن اگر رات کے وقت سفر نہ کرنا ہوتو پھر صبح سویرے سفر شروع کرنا بہتر ہے۔

(۱۹)......اگر سفر کسی جانور مثلاً تانگے، گھوڑے وغیرہ پر کیا جارہا ہو، تو جانور پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے، بلکہ اُس کو مناسب آرام دینا چاہیے، اور سرسبزی والے علاقے سے گزر ہوتو جانوروں کو چرانا، یا چراتے ہوئے لے جانا چاہیے، اور بنجر والے علاقے سے تیز رفتاری سے گزرنا چاہیے؛ اسی طرح جانوروں پر سوار ہونے کی حالت میں بلاضرورت سوجانا یا جانور کے رُکے اور کھڑے ہونے کی

حالت میں سوار رہنا درست نہیں، اس لیے کہ یہ جانوروں کو تکلیف دینے والا طرزِ عمل ہے؛ بلکہ بہتر ہے کہ سفر کے دوران بھی کچھ وقت کے لیے جانور کی پُشت سے اُتر کر پیدل چلا جائے، اس سے سوار اور جانور دونوں کے ہاتھ پاؤں کُھلیں گے؛ پھر جب سفر مکمل ہو جائے تو جانوروں کے کجاوے اور زینیں کھول دینی چاہئیں، تاکہ وہ قید و بند کی صعوبتوں سے کچھ دیر کے لیے آزاد ہو کر اپنے جسم کو راحت و تسکین دے سکیں۔

(۲۰)......سفر پر نکلنے سے پہلے مسافر کو دو رکعت سفر کی نیت سے پڑھ لینا مستحب ہے۔

(۲۱)......مسافر کو رُخصت کرتے وقت سلام اور وداع کرنا چاہیے، کسی کو رُخصت کرتے وقت حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے، اور اُس وقت تک اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک وہ شخص خود حضور ﷺ کا ہاتھ نہ چھوڑ دیتا، اور یہ دعا دیتے تھے:

اَسْتَوْدِعُ اللہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَآخِرَ عَمَلِکَ .

ترجمہ: میں تمہارا دین، اور تمہاری امانت اور خاتمہ والے اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں

(ترمذی، حدیث نمبر ۳۳۶۴)

ہمارے ہاں دوسرے کو رخصت کرتے وقت جو ''خدا حافظ'' کہنے کا رواج ہے، یہ اگرچہ گناہ تو نہیں لیکن سنت بھی نہیں۔

(۲۲)......حضور ﷺ جب سفر کے ارادے سے اپنے اونٹ پر تشریف فرما ہو جاتے تو تین مرتبہ ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے اور سورہ زخرف کی مندرجہ ذیل آیت نمبر ۱۳، ۱۴ پڑھتے تھے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ. وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کیا، جبکہ ہم میں اس کی طاقت نہ تھی، اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (مسلم، حدیث نمبر ۲۳۹۲)

لہٰذا سواری پر سوار ہو کر مذکورہ دعا پڑھ لینی چاہیے۔

(۲۳)......سواری کی اچھی اور اعلیٰ نشست گاہ پر بیٹھنے کا پہلا حق سواری کے مالک کا ہے، لہٰذا اُس کی خواہش یا اجازت کے بغیر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

(۲۴)......سفر میں اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو دوسرے شرکائے سفر کی خدمت کرنی چاہیے، خاص طور پر ضرورت مند اور بزرگوں کی؛ اور اگر شرکائے سفر کی خدمت کا موقع نہ ہو تو اُن کے ساتھ خوش اخلاقی سے

پیش آنا چاہیے، لیکن تملّق اور چاپلوسی پسندیدہ نہیں؛ اسی طرح جس کے پاس کھانے، پینے یا دوسری برتنے کی چیزیں ہوں، تو اگر اپنا حرج نہ ہو تو دوسروں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۲۵)...... حدیث کی رو سے سفر میں کی جانی والی دعا کو مقبول دعاؤں میں شمار کیا گیا ہے، لہٰذا مسافر کو رخصت کرنے والوں کے لیے بہتر ہے کہ مسافر سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کریں، اور مسافر کو بھی چاہیے کہ اپنے والدین، رشتہ داروں، اپنے تعلق والوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی و کامیابی کے لیے دعا کرے؛ اسی طرح سفر میں ذکر اذکار میں مشغول رہنا بھی پسندیدہ ہے جبکہ فضول اشعار اور گانوں میں مشغول مسافر کے ساتھ حدیث کی رو سے شیطان ہوتا ہے۔

افسوس کہ آج کل سفر میں موسیقی اور گانے چلانے کا عام رواج ہو گیا ہے، اور بعض سواریوں میں فلمیں تک بھی چلائی جانے لگی ہیں، جو کہ بہت منحوس عمل ہے۔

(۲۶)...... جب سفر کا مقصد پورا ہو جائے تو واپسی میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

(۲۷)...... مسافر کے لیے مستحب ہے کہ گھر پہنچنے سے پہلے گھر والوں کو اپنی واپسی کی اطلاع کر دے، اچانک گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے، البتہ اگر پہلے سے واپسی کا وقت متعین ہو تو دوبارہ اطلاع کی ضرورت نہیں؛ اسی طرح سفر سے واپسی پر گھر والوں کے لیے کچھ ہدیہ لانا بھی مستحب ہے۔

(۲۸)...... مسافر کے لیے مستحب ہے کہ اپنے گھر صبح یا شام کے وقت داخل ہو؛ اور واپسی پر گھر آنے سے پہلے مسجد میں آ کر دو رکعت نماز نفل سفر سے واپسی کی نیت سے پڑھے۔

(۲۹)...... خاوند کی سفر سے واپسی کے وقت عورت کو چاہیے کہ وہ صفائی اور زیب و زینت اختیار کر لے، اور اپنی پراگندگی کو دُور کر لے۔

(۳۰)...... مسافر کے آنے پر اُس کا استقبال کرنا اور ممکن ہو تو مَردوں کو گھر سے یا شہر سے باہر نکل کر مسافر کا راستہ میں استقبال کرنا چاہیے۔

(۳۱)...... گھر والوں اور بچوں کے لیے سفر سے واپسی پر حسبِ حیثیت کوئی ہدیہ یا تحفہ لانا سنت سے ثابت ہے (دار قطنی)

(۳۲)...... اگر گنجائش ہو تو ضروری سمجھے بغیر اہم سفر سے واپسی پر اپنے اقارب و احباب کی دعوت کر لینا چاہیے۔

(۳۳)...... سفر سے آنے والے کے ساتھ ملاقات ہونے پر سنت کے مطابق سلام اور مصافحہ کے ساتھ معانقہ کرنا مستحب ہے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۸ ص ۴۱۰)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ اصلاحی مجلس: حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب

رمضان المبارک کا مقصد اور اس کی رحمتوں سے محروم لوگ

(قسط۲)

مؤرخہ ۲۰/شعبان ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۷/اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز اتوار حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم ادارہ غفران، راولپنڈی میں تشریف لائے اور اپنے ملفوظات وارشادات سے لوگوں کو مستفید فرمایا، جس کو مولانا محمد ناصر صاحب نے کیسٹ سے نقل کیا، اب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی نظرِ ثانی کے بعد انہیں شائع کیا جارہا ہے (ادارہ......)

بابرکت زمانے اور بابرکت مقام میں گناہوں سے بچنا زیادہ اہم ہے

حضرت والا الحکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ویسے تو ہر دم، ہر مہینے، ہر موقع پر اور ساری زندگی ہی گناہوں کو ترک کرنا اور چھوڑنا ہے، لیکن جیسے بابرکت زمانے اور بابرکت مقام میں عبادات کا ثواب بڑھ جاتا ہے، ایسے ہی اس زمانے اور مقام میں گناہ کرنے کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص نعوذ باللہ چوری کرتا ہے، شراب پیتا ہے، بدنظری کرتا ہے، بدکاری کرتا ہے، غیبت کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، چغلی کرتا ہے، بہتان لگاتا ہے۔

تو اگر وہ یہ گناہ کے کام رات کے آخری حصے میں کرتا ہے جس وقت کہ اللہ تعالیٰ کا سماءِ دنیا پر نزول ہوتا ہے، [۱] تو اس وقت ان گناہوں کو کرنے کا وبال زیادہ ہوتا ہے؛ اسی طرح اگر کوئی شخص بازار، مارکیٹ میں شراب پیتا ہے تو گناہ ہے لیکن مسجد میں پیتا ہے تو اور بھی گناہ ہے؛ اسی طرح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی گناہ کرنے کا وبال ہوتا ہے۔

لیکن رمضان کے مہینے میں اگر گناہ کیا جائے تو اُس کا وبال زیادہ ہے، اس لیے کم از کم بابرکت زمانوں اور بابرکت مقامات میں گناہوں سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

---

۱ عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال ينزل ربنا تبارک وتعالیٰ كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر فيقول من يدعونی فأستجيب له من يسألنی فأعطيه من يستغفرنی فأغفر له (مؤطامالک، حدیث نمبر ۴۴۷)

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختصر تصنیف جس کا نام ''جزاءُالاعمال'' ہے، اس میں فرمایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ نیک اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا صرف قیامت کے دن ملے گی، بلکہ دنیا میں بھی نیک اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا ملتی ہے، چنانچہ بُرے اعمال اور گناہوں کی ایک سزا یہ ہے کہ رزق اور علم سے محرومی ہوجاتی ہے۔

اور ایک سزا یہ ہے کہ گناہوں کے کرنے سے دنیا کے اندر طبیعت میں وحشت پیدا ہوجاتی ہے، سکون ختم ہوجاتا ہے؛ اسی طرح آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدن میں ضعف ہو رہا ہے، کمزوری ہے تو اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں میں منہمک ہیں اور گناہوں کو چھوڑ نہیں رہے ہیں۔

رمضان نفس کی اصلاح کا مخصوص زمانہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی رمضان المبارک کا مہینہ ہمارا مصلح (یعنی اصلاح کا ذریعہ) بن کر آیا ہے، کیونکہ اس میں نفس کی اصلاح کا بڑا اچھا موقع ملتا ہے، چنانچہ مشائخ نے نفس کی اصلاح کے جو طریقے اور اس کے لیے جو چار مجاہدے بیان کیے ہیں کہ قلتِ نوم، قلتِ کلام، قلتِ طعام اور قلتِ اختلاط مع الانام (یعنی کم سونا، کم بولنا، کم کھانا اور لوگوں سے کم ملنا جُلنا) یہ چاروں مجاہدے رمضانُ المبارک میں حاصل ہوجاتے ہیں۔

اب اگر آپ رمضان کے زمانے میں نظر ڈالیں تو صبح سحری کے وقت سے ان مجاہدوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور چوبیس گھنٹے روزے دار کسی نہ کسی حیثیت سے عبادت میں مشغولی رہتی ہے، اور روزے میں روزے دار کو چاروں مجاہدوں سے واسطہ پڑتا ہے اور اس طرح رمضان کے مہینے میں نفس کی اصلاح بہت آسان ہوجاتی ہے۔

اور حضرت والا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رمضانُ المبارک میں اگر نیک اعمال کیے جائیں، تو اس ایک مہینے میں کیے جانے والے نیک اعمال کا اثر گیارہ مہینے تک رہتا ہے۔

لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رمضان میں نفس کی اصلاح کے ہوجانے کے لیے شرط یہ ہے کہ نفس کی اصلاح کرنے کی طلب ہو، اور پھر بندہ ہمت سے کام لے۔

قرآن پاک میں ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورة البقره آیت نمبر ۱۸۳) [1]

تقویٰ نام اس کا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے نفس کو گناہوں سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچالیں، اور گناہ چھوڑ دیں، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سوره النازعات، آیات نمبر ۴۰، ۴۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفس کی بُری خواہشات پوری نہ کرنے کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینے کا خوف پیدا کرلے، یہ جواب دہی کا خوف اور ڈر بندہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے گا، اور پھر ایسے بندوں کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ نے جنت بتلایا ہے۔

گناہوں سے بچنا نفلی اعمال میں مشغولی سے مقدم ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نسبت فرمایا ہے کہ فرائض وواجبات اور سننِ مؤکدہ کو چھوڑ کر جو معمولاتِ نافلہ اور بعض نفلی عبادات ہیں، ان میں اگر کمی اور کوتاہی ہوجائے تو اس کا اتنا نقصان نہیں ہے اور کوئی ایسی حرج کی بات نہیں ہے، جتنا کہ منکرات کے ترک نہ کرنے یعنی گناہوں کے نہ چھوڑنے کا نقصان ہے؛ اس لیے معصیت اور نافرمانی نہیں ہونی چاہیے۔

کیونکہ بعض اوقات نفس وشیطان عبادت کے رنگ میں بھی گناہ کرادیتا ہے، مثلاً بندہ نیکی میں لگا ہوتا ہے تو بندہ نیکی میں مشغول ہوکر خوش ہوتا ہے، جبکہ نفس وشیطان نے بندے کی اس عبادت میں اپنا حصہ رکھا ہوتا ہے، اور وہ اس طرح کہ بندے میں یہ خواہش اور تقاضا ہوتا ہے کہ لوگ مجھے بزرگ سمجھیں گے، کہ بیٹھا ہوا عبادت کررہا ہے، تو اس طرح نفس وشیطان بندے کی عبادت میں اپنا حصہ رکھ لیتے ہیں؛ اسی وجہ سے بزرگوں نے حظِّ نفس (یعنی نفس کے لذت حاصل کرنے) سے بھی پناہ مانگی ہے۔

اس کے برخلاف بندے کو گناہ چھوڑنے میں بڑا تعب اور بڑی مشکل ہوتی ہے، اور گناہ کا چھوڑنا نفس وشیطان پر بڑا گراں گزرتا ہے، اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ زیادہ ضروری ترکِ معصیت یعنی گناہوں کا چھوڑنا ہے، لہٰذا تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (جاری ہے……)

---

[1] اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ (ترجمہ از بیان القرآن)

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس

مفتی محمد رضوان

علماء کے وارثِ انبیاء ہونے کا تقاضا

اہلِ علم اور خاص کر وہ حضرات جو اہلِ عمل بھی ہیں ان کے لئے یہ انتہائی اعزاز کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے چنانچہ ایک لمبی حدیث میں فرمایا:

ان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولادرهما ورثوا العلم فمن اخذبه اخذ بحظ وافر (ترمذی حدیث نمبر ۲۶۰۶،ابوداؤدحدیث نمبر ۳۱۵۷)

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑ کر جاتے بلکہ علم میراث میں چھوڑ کر جاتے ہیں، پس جس نے اس کو حاصل کیا اس نے بہت بڑی چیز حاصل کی (ترجمہ ختم)

اور وارث کو جو نسبت اپنے مورِث سے حاصل ہوتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔حضور ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ انبیائے کرام درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑا کرتے بلکہ علم وراثت میں چھوڑ کر جاتے ہیں، اور اہلِ علم کے وارثِ انبیاء ہونے کی بنیاد اسی پر ہے۔

اور وراثت کا قانون و قاعدہ یہ ہے کہ مورث کی مملوکہ تمام چیزوں میں وارث کے لئے میراث جاری ہوا کرتی ہے۔اس قاعدہ و قانون کا تقاضا یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارثوں میں بھی علم کے تمام شعبوں کی میراث جاری ہو، جس کی وہ عوام میں تبلیغ کریں، خواہ عقائد کا شعبہ ہو یا عبادات کا، یا معاملات کا شعبہ ہو، یا معاشرت کا، اور یا پھر اخلاق کا، ان سب شعبوں کو اپنے میدانِ عمل میں لانا ایک وارث کی ذمہ داری ہے، ورنہ وہ کامل اور صحیح وارث کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہوگا، آج اہلِ علم حضرات کو میراث کے اس قاعدہ و قانون پر اپنے آپ کو منطبق کرنے اور اس کی روشنی میں اپنی حالت کا جائزہ لینے کی بہت سخت ضرورت پیش آ گئی ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اپنی اپنی مرضی کے میدان منتخب کر کے ان ہی کو پورا دین قرار دیا ہوا ہے، خواہ حالاً یا قالاً، چنانچہ بعض لوگوں کے نزدیک پورا دین سیاست تک محدود ہے، بعض کے نزدیک جہاد تک محدود ہے، بعض کے نزدیک کافروں کی ذات تک محدود ہے، اور بعض کے نزدیک کسی خاص فرقہ و جماعت تک، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری زندگی کی صلاحیتیں اور تگ و دو خاص اس محدود میدان کی ہی نذر ہو جاتی ہے......اور دوسرے شعبوں کو کلی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

علم کے مینار مولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

سرگذشت عہدِ گُل (قسط ۱۳)

(سوانح حضرتِ اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم)

مضمون کا درجِ ذیل حصہ مفتی صاحب موصوف کا خود نوشتہ ہے

حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ سے تعلق پیدا کئے ہوئے جب ایک عرصہ گزر گیا، اور میں مدرسہ مفتاح العلوم میں افتاء کے سال میں تھا، تو ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں مُنی والی مسجد میں (جہاں حضرت جمعہ پڑھا کرتے تھے) آپ جمعہ سے پہلے کچھ بیان کر دیا کریں۔ بندہ کو پہلے تو اپنے آپ کو دیکھ کر بڑی حیرت وتعجب ہوا کہ جہاں بڑے بڑے اکابر موجود ہوں اور مختلف اطراف سے علماء وصلحاء کا مجمع اکٹھا ہوتا ہو اور میرے معزز اساتذۂ کرام بھی ہوں وہاں میں کیا بیان کروں گا لیکن حضرت والا کی توجہ سے کچھ ٹوٹے پھوٹے بیان کا سلسلہ شروع ہوا، جس کے متعلق حضرت والا سے مشاورت بھی ہوتی رہتی تھی ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، پھر بعض وجوہ سے موقوف ہو گیا۔ [1]

بندہ کے تخصص کے سال کا آخری حصہ جاری تھا کہ حضرت والا کے اس زمانے کے خادمِ خاص ''مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی مدظلہم'' کو کسی عذر سے ''لندن'' جانا پڑ گیا۔

ادھر حضرت والا پر ضعف اور نقاہت کا غلبہ تھا، اس لئے حضرت کے متعلقین کو فکر لاحق تھی کہ حضرت والا کے پاس رات کے وقت کون قیام کرے۔

کیونکہ حضرت والا کی اہلیہ محترمہ تو پہلے ہی عرصہ ہوا وفات پا چکی تھیں اور اس زمانے میں آپ کا رات دن قیام وطعام اور شب باشی اسی مجلس گاہ میں ہوتی تھی البتہ کبھی کبھار بھائی جان اور ان کے اہل وعیال کی خاطر گھر پر بھی تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت والا کی مجلس گاہ بہت بڑا ہال کمرہ تھا اور اس کے ایک طرف کونے میں حضرت والا کی صرف ایک

---

[1] اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ بعض حضرات کو میرا ''بڑے بڑے علماء واساتذۂ کرام کی موجودگی میں'' بیان کرنا، ناگوار گزرتا تھا اور وہ مختلف قسم کے درپردہ اعتراضات کرتے تھے، حضرت والا نے دفعِ فتنہ کی خاطر اس کو موقوف کرانا مناسب خیال فرمایا۔ واللہ اعلم۔

Idara Ghufran

چارپائی بچھی رہتی تھی۔ اس ہال کمرے کے مشرق اور مغرب میں دونوں طرف ایک ایک کمرہ بنا ہوا تھا، ایک کمرہ میں حضرت والا کے کپڑے اور دوسری ضروری اشیاء رکھی رہتی تھیں، یہ کمرہ عموماً مقفّل رہتا تھا، اور دوسرے کمرے کے ایک طرف ایک عدد بیت الخلاء بنا ہوا تھا اور دوسری طرف غسل خانہ اور وضوخانہ بنا ہوا تھا، یہ کمرہ عموماً غیر مقفّل رہتا تھا۔

اسی کمرہ میں ایک طرف حضرت والا کی ضروری کتب کی ایک الماری رکھی تھی اور ایک حمام رکھا رہتا تھا، جسے اوپر سے کپڑے سے ڈھانپ کر رکھا جاتا اور بجلی کا ہیٹر اس میں نصب تھا، سردیوں کے موسم میں اس میں پانی گرم رکھا جاتا تھا، جو موسمِ سرما میں وضو، غسل اور استنجے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور اسی کمرہ میں ایک اور ٹینکی رکھی ہوتی تھی جس میں پانی رکھا رہتا تھا اور حضرت والا روزانہ اس پانی میں صبح تہجد کے وقت تلاوت اور مناجات مقبول اور دیگر اوراد وظائف پڑھ کر دم کر دیا کرتے تھے اور دن بھر کثرت سے پانی دم کرانے کے لئے آنے والوں کے برتن و بوتل میں اس کی ٹونٹی کھول کر پانی فراہم کر دیا جاتا تھا۔

اس کمرے کے ایک طرف ایک اور الماری تھی، جس میں کچھ معجون، خمیرے اور دیگر طبی دوائیوں کی کچھ بوتلیں اور ڈبے رکھے رہتے تھے، جن کو حسب ضرورت حضرت والا استعمال کیا کرتے تھے۔

حضرت والا کو طب سے بھی قدرے مناسبت تھی، اور کتابوں والی الماری میں ایک طبی کتاب ''بستانُ المفردات'' رکھی ہوتی تھی، حضرت والا کسی مخصوص چیز کو تناول ونوش فرمانے سے پہلے اس کتاب کو طلب فرما کر اس چیز کے خواص کو ملاحظہ فرما کر اپنے مزاج کی مناسبت سے اس چیز کو ایک خاص مقدار میں تناول فرماتے تھے، یہ کتاب بہت پرانی تھی، اور مجھے بھی اس کتاب کو حاصل کرنے کا شوق تھا، جو فراغت کے بعد بحمد اللہ تعالیٰ ایک جگہ سے دستیاب ہوگئی تھی۔

بہرحال مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی زید مجدہم کے لندن کا رختِ سفر باندھنے سے کچھ ہی پہلے حضرت والا کے ایک خاص قریبی بزرگ ''ڈاکٹر نعیم صاحب زید مجدہم'' (جو کہ حضرت والا کے مخصوص خداموں اور معالجین میں شامل ہونے کے علاوہ مدرسہ مفتاح العلوم کے ناظم بھی تھے) نے مجھ سے ایک دن فرمایا کہ آثار وقرائن سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والا کو آپ کی خدمت سے کچھ مناسبت ہے اور آپ کو حضرت والا کی کچھ مزاج شناسی حاصل ہوگئی ہے، اس لئے حضرت والا کی خواہش ہے کہ مولانا عنایت اللہ صاحب کے چلے جانے کے بعد آپ حضرت والا کے پاس قیام کریں۔

میرے لئے تو یہ بہت بڑی نعمت تھی، مگر میں نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے سوال کیا کہ آپ کو کیسے معلوم کہ حضرت والا میرے قیام کو پسند فرمائیں گے، اس پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضرت والا نے آپ کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ مدرسہ میں ان کی تعلیمی وتربیتی حالت کیسی ہے؟ اس پر میں نے جواب دیا تھا کہ کوئی معقول شکایت تعلیم وتربیت کے حوالہ سے موصول نہیں ہوئی، تعلیمی حالت بہتر ہے اور یہ جس وقت مدرسہ میں داخل ہوا بہت چھوٹا تھا اور یہاں رہتے ہوئے ہی بڑا ہوا ہے، اس پر حضرت والا نے فرمایا تھا کہ کیا اس کا قیام مناسب ہوگا؟ میں نے جواباً عرض کیا تھا کہ بالکل مناسب ہوگا۔

میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ حضرت والا نے ابھی مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی قیام کا حکم فرمایا ہے، ایسے میں، میں کیسے جا کر قیام کر سکتا ہوں؟

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس پر فرمایا کہ حضرت والا کی عادت کسی کو کسی کام کا حکم دینے کی نہیں ہے، وہ آپ کو کبھی اس کا حکم نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ خود ہی حضرت والا سے قیام کی اجازت طلب کرلو۔

میں نے ہمت مجتمع کر کے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت جی مولانا عنایت اللہ صاحب دامت برکاتھم تشریف لے جا رہے ہیں، کیا مجھے حضرت والا کی طرف سے اجازت ہے کہ اپنا بستر لے آؤں اور رات کو یہاں قیام کرلیا کروں؟

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ جیسا مناسب سمجھو، اگر آپ کو کوئی عذر اور کوئی تکلیف نہ ہو تو؟ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کوئی عذر یا تکلیف نہیں ہوگی بلکہ خوشی ہوگی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بہت اچھا۔

اس اجازت ملنے پر بندہ کو جو خوشی ہوئی وہ ناقابلِ بیان ہے۔

میں اسی شام مدرسہ سے اپنا بستر حضرت والا کی قیام گاہ میں لے آیا، اور حضرت والا کو اس کی اطلاع دیدی۔

اور اس طرح حضرت والا کی خدمت میں رات کو قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

حضرت والا تو اوپر چارپائی پر آرام فرماہوتے تھے اور میں تھوڑے سے فاصلہ پر نیچے قالین پر اپنا بستر بچھالیا کرتا تھا۔

حضرت والا کی چارپائی کے ساتھ ایک الارم والی گھڑی رکھی رہتی تھی جس میں روزانہ پہلے تو حضرت والا

خود ہی اور کبھی کوئی اور صاحب چابی بھر لیا کرتے تھے، بعد میں بندہ نے چابی بھرنا شروع کر دی۔

تہجد کے وقت الارم بجنے پر حضرت والا چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتے تھے، کبھی تو میری خود ہی سے الارم سے آنکھ کھل جاتی اور کبھی حضرت والا جاگ کر بندہ کو آواز دے کر جگا دیا کرتے تھے، اس زمانے میں حضرت والا کو سہارا دے کر بیت الخلاء لے جانا اور وہاں سے وضو خانہ لانا اور پھر وضو کرا کر جائے نماز تک پہنچانا ہوتا تھا۔

کبھی حضرت والا کو رات کے وقت ایک دو مرتبہ پیشاب کی حاجت بھی ہو جایا کرتی تھی، اس کے لئے بھی لانے لیجانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

حضرت والا کی عادت سونے سے پہلے تھوڑا بہت دودھ پینے کی تھی، سونے کے وقت آپ کے برخوردار حضرت مولانا محمد صفی اللہ خان عرف بھائی جان صاحب کے یہاں سے آپ کے لئے دودھ آجاتا تھا جس کو آپ عموماً نوش فرما کر پھر ساتھ ہی سونے کی تیاری میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اور سونے کا طریقہ یہ تھا کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے تھے اور نہ جانے کس وقت آپ بائیں کروٹ پر ہو جاتے تھے اور صبح جاگتے وقت آپ بائیں کروٹ پر ہی آرام فرما ہوتے تھے۔

اس زمانے میں آپ کی غذا برائے نام رہ گئی تھی، اور غذا کی مقدار معلوم ہونے والے کو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنی کم غذاء سے آدمی کیسے زندہ رہ سکتا ہے، لیکن کسی کو کیا معلوم کہ اللہ والوں کی اصل غذا روحانی ہوتی ہے یعنی ذکر اللہ۔

چند دن بعد رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو گیا۔ اور یہ آپ کی حیات کا آخری رمضان تھا۔

ماہِ رمضان میں حضرت والا سحری و افطار میں بھی بہت کم غذا تناول فرماتے تھے۔

حضرت والا کے پاس قیام کے بعد رمضان کے شروع ہونے سے پہلے چند دن تک تو میں مدرسہ سے اپنا کھانا لیکر دوپہر کو تو مدرسہ کی اپنی رہائش گاہ میں کھا کر حضرت والا کے پاس حاضر ہو جاتا تھا اور شام کا کھانا لیکر حضرت والا کے پاس آجاتا تھا اور وہاں آکر ہی کھایا کرتا تھا۔

اور ناشتہ حضرت بھائی جان صاحب کے گھر سے کیا کرتا تھا، مہمان خانہ میں دسترخوان لگا دیا جاتا تھا، جہاں بھائی جان صاحب خود بھی دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر ناشتہ فرمایا کرتے تھے اور کوئی مہمان ہوتا تو وہ بھی۔

چند دن بعد بھائی جان صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ آپ دوپہر اور شام کا اپنا کھانا مدرسہ سے لے کر میرے

گھر دیدیا کریں وہ میں کھالیا کروں گا اور آپ میرے ہاں سے کھانا کھالیا کریں۔

میں نے بھائی جان کی اس بات کا حضرت والا سے تذکرہ کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ میں شروع میں تو اس بات کو مذاق سمجھا کہ بھائی جان عالیشان کھانا کھانے کے عادی ہیں وہ مدرسہ کا کھانا کیسے کھائیں گے۔ اور خیال تھا کہ شاید مجھے اپنے ہاں کا کھانا کھلانا چاہتے ہیں۔ اور میری دلجوئی کی خاطر میرے حصہ کا کھانا خود تناول کرنے کا فرمارہے ہیں،

لیکن میری اس وقت حیرت کی انتہاء نہ رہی جب گھر کے مہمان خانہ کے دستر خوان پر عالیشان کھانوں کے ساتھ بھائی جان صاحب کے لئے مدرسہ کی دو روٹیاں اور سالن گرم کر کے پہنچایا گیا اور بھائی جان صاحب نے وہی کھانا کھایا اور اس کے بعد مسلسل یہی کھانا کھاتے رہے۔

مجھے اس کی حکمت اور فلسفہ آج تک سمجھ نہیں آیا۔

ممکن ہے کہ بھائی جان صاحب بوجہ فنائیت اپنے آپ کو ایک طالب علم کا درجہ دے کر یہ کھانا کھاتے ہوں۔ واللہ اعلم

بہر حال اس طرح تینوں اوقات میں یعنی ناشتہ اور دوپہر وشام کا کھانا بھائی جان صاحب کے مہمان خانہ میں کھایا جاتا رہا۔

ماہِ رمضان میں حضرت بھائی جان صاحب مدظلہم کے گھر سے میری سحری وافطار وہیں حضرت والا کے پاس پہنچادی جاتی تھی۔

سحری میں حضرت والا تو مختصر ڈبل روٹی کا پیس اور تھوڑی چائے وغیرہ پر اکتفا فرمالیا کرتے تھے البتہ میرے لئے روٹی سالن اور کبھی پراٹھا اور تلا ہوا انڈا سحری میں آتا تھا اور ساتھ میں چائے۔

افطار حضرت والا کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کرنے کی توفیق حاصل ہوتی تھی، حضرت والا کھجور کے کچھ حصہ سے افطار کر کے باقیماندہ کھجور کا حصہ مجھے عنایت فرمادیتے تھے اور اسی طرح زم زم کا پانی پی کر کچھ حصہ مجھے دیدیتے تھے، جو کہ میرے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکات دنیا وآخرت میں نصیب فرمائیں۔ آمین

اس رمضان میں کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے صبح کی مجلس کی ناغہ بھی کثرت سے ہوتی تھی۔

اور صبح فجر کی نماز کے بعد مجلس گاہ کا دروازہ بند ہوجاتا تھا، اگر مجلس ہونی ہوتی تھی تو نو بجے دروازہ کھول دیا

جاتا تھا، ورنہ دوپہر ظہر سے پہلے تک بند رکھا جاتا تھا۔

اس دوران حضرتِ والا کے معمولات میں تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر کے علاوہ مراقبہ اور ڈاک کے جواب لکھنا ہوتے تھے۔

جب حضرت والا پر زیادہ ضعف ونقاہت کا غلبہ ہوتا تھا تو نماز بھی وہیں مجلس گاہ میں باجماعت ادا فرماتے تھے اور مسجد تشریف نہ لیجاتے تھے۔ حضرت کے علاوہ دوتین مزید افراد بھی ہوتے تھے۔ اور عموماً امامت کی سعادت بندہ کو میسر آتی تھی۔

جب میں نے پہلی مرتبہ امامت کی تو حضرت والا نے نماز سے فراغت کے بعد میں فرمایا کہ آپ صحت مندوں کی نماز پڑھاتے ہیں، بیماروں اور ضعیفوں کی نہیں۔

اس کے بعد میں نے کچھ اہتمام کے ساتھ فرائض وواجبات اور سنن کی رعایت کے ساتھ اور مستحبات کے اہتمام سے بچتے ہوئے امامت کا سلسلہ جاری رکھا، جس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا۔

اس سال میں نے تراویح میں قرآن مجید وہاں قصبہ ہی کی ایک مسجد میں سنایا جو کہ ''قاری عاقل صاحب کی مسجد'' کی نسبت سے مشہور تھی۔ اور حضرت والا نے اپنی قیام گاہ پر اپنے پوتے قاری خفی اللہ صاحب سلمہٗ کی امامت میں تراویح پڑھی۔

اس زمانہ کو بندہ اپنی زندگی کا عمدہ زمانہ سمجھتا ہے کہ حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی صحبت ومجالست میں ہمہ وقت رہنےسہنے کی نعمت میسر تھی، اگرچہ اس کا مجھے پوری طرح اعتراف ہے کہ میں اس نعمت کی کماحقہٗ قدر نہیں کرسکا اور اپنی اصلاح کا جو سامان کرنا چاہئے تھا، اس سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوتاہی کو معاف فرمائیں۔

خیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ماہِ رمضان کا اختتام بخیر وعافیت مکمل ہوگیا اور عید کے چاند کا اعلان بھی ہوگیا، لیکن اچانک چاندرات کو حضرت والا کی طبیعت پر ضعف اور نقاہت کا ایک عجیب وغریب حملہ ہوا، اور کھانسی جو پہلے سے جاری تھی اس میں شدت پیدا ہوگئی۔

اور حضرت والا پر کچھ ایسی غشی طاری ہوئی کہ جیسے گہری نیند سو رہے ہوں۔

اُدھر قصبہ کے مکین اپنی عادت کے مطابق چاند کا اعلان ہوتے ہی حضرت والا کی خدمت میں مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہونا شروع ہوگئے لیکن حضرت والا کی طبیعت کا معلوم ہوکر سب حیران وپریشان تھے،

آ کر غنودگی میں سوتا ہوا دیکھ کر غمگین حالت میں رخصت ہو جاتے تھے، آناً فاناً قصبہ بھر میں حضرت والا کی طبیعت کی علالت کی خبر پھیل گئی۔ اور لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ حضرت کے مخصوص متعلقین و معالجین بھی جمع ہو گئے۔

کافی دیر بعد حضرت کو افاقہ ہوا۔

اور عشاء کی نماز حضرت والا نے کسی طرح سے ادا فرمائی، اسی وقت حضرت کے مخصوص متعلقین جمع ہو گئے، لیکن کسی کو کچھ سمجھ نہیں آیا، اسی حالت میں حضرت والا نے اگلے دن عیدُ الفطر کی نماز بھی عیدگاہ میں جا کر پڑھی۔

حضرت والا عید کی نماز عموماً قصبہ کی عیدگاہ میں تشریف لے جا کر ادا فرمایا کرتے تھے، اور عید کی نماز پڑھانے کے لیے امام وخطیب قصبہ تھانہ بھون سے تشریف لاتے تھے۔

پہلے تو قاضی امتنان الحق صاحب تشریف لاتے تھے، جو تھانہ بھون کے قاضی احسانُ الحق صاحب کے بیٹے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی طارق صاحب تشریف لاتے تھے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں باپ، بیٹے ویسے تو زبان سے غیر معمولی ہکلے تھے، لیکن نماز پڑھانے میں ذرہ برابر ہکلے پَن کا اظہار و احساس نہ ہوتا تھا۔

حضرت والا رحمہ اللہ عیدین کے دِنوں میں خاص جبّہ بھی زیبِ تَن فرماتے تھے (جس کے مسنون و مستحب ہونے کا بعض فقہاء نے تذکرہ بھی فرمایا ہے)

اس مرتبہ عیدُ الفطر کی نماز میں نے تھانہ بھون کی عیدگاہ میں وہاں کے بعض اہلِ حل وعقد خصوصاً ڈاکٹر چھٹّن صاحب مرحوم (جو کہ عیدگاہ کے اُمور کے منتظم تھے) کی خواہش پر ادا کی اور وہاں عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے بیان کیا۔

واپسی پر حضرت والا نے معلوم کیا کہ کیا کچھ بیان کیا؟

میں نے اجمالی طور پر خلاصہ عرض کر دیا، جس میں یہ بھی داخل تھا کہ عیدین کے دِنوں کی تخصیص کے حوالہ سے مصافحہ و معانقہ بدعت ہے۔

حضرت والا نے فرمایا: مسئلہ تو آپ نے صحیح بیان کیا، لیکن ایسے موقع پر میرے حضرت والا حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ مسئلہ حکمت کے ساتھ صحیح بیان فرما دیا کرتے تھے اور خود سے کسی کے

ساتھ مصافحہ ومعانقہ کی ابتداء نہیں فرماتے تھے، لیکن اگر کوئی اتفاقاً مصافحہ ومعانقہ کی پیش قدمی کرتا اوراس موقع پراس کومنع کرنا مناسب نہ ہوتا تواس سے کرلیا کرتے تھے۔

بہرحال اس کے بعد پھرحضرت والا کی طبیعت نہیں سنبھلی؛ بے شمار معالجین آتے رہے، مگرکمزوری کا کسی طرح ازالہ نہ ہوا، کھانسی کی شدت بھی اتنی زیادہ تھی کہ کھانسنے سے سینہ گویا کہ چھِل جاتا تھا۔اس دوران حضرت والا کوسہارے سے اٹھانا، بٹھانا، لانا لیجانا، اور وضووغیرہ کرانا ہوتا تھا۔ معالجین اور متعلقین حضرت کے ضعف اور بیماری سے سخت غم زدہ اور پریشان تھے۔ معالجین آپ کے تمام جسمانی نظام کا معائنہ کرکے کہتے تھے کہ تمام اعضاء اوران کا نظام سلامت ہے، بڑھاپے کی کمزوری ہے،کوئی معالج کوئی تدبیر تجویز کرتا اورکوئی کچھ اور۔ بہرحال سلسلہ اسی طرح جاری رہا، ماہِ شوال جاری ہوگیا اور مدرسہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوگیا۔اب بندہ کے تخصص کا سال مکمل ہوچکا تھا،حضرت والا کی خواہش تھی کہ میں دوایک سبق مدرسہ میں پڑھالوں، لیکن ادھر والدہ صاحبہ مجھے واپس بلا رہی تھیں اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا کہ چند دن بعدراولپنڈی میں والدصاحب کا انتقال ہوگیا اوراس کے بعدحضرت والا کی اجازت سے بندہ کوواپس آنا پڑا۔اوراس طرح گویا کہ کتابِ زندگی کا یہ ایک اہم باب اپنے اختتام کو پہنچا۔ ؎

حیف درچشم زدن صحبتِ یارآخرشد روئے گل سیرندیدیم وبہارآخرشد

(جاری ہے............)

حج کا صحیح طریقہ اورحج کی غلطیاں

اس رسالے میں مختصراورسہل انداز میں حج وعمرے،خصوصاً ’’حجِ تمتع‘‘ کا صحیح طریقہ اوران سے متعلقہ اہم مسائل ذکر کیئے گئے ہیں، چنانچہ حج وعمرے کی تیاری، سفر کے احکام، احرام کا طریقہ اوراس کی پابندیاں، اورحج کے پانچوں دنوں کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ مناسک تحریر کیئے گئے ہیں، اورآخر میں ’’حج کی غلطیاں‘‘ کے عنوان سے ایک مستقل مضمون شامل کیا گیا ہے، جس میں حج وعمرے اوراس سے متعلقہ مروجہ غلطیاں وکوتاہیاں بیان کی گئی ہیں، اس طرح بحمداللہ تعالیٰ اس مجموعہ میں حج وعمرے سے متعلق مثبت ومنفی پہلوؤں کے اعتبار سے احکامات ومنکرات جمع ہوگئے ہیں۔

مصنّف: مفتی محمدرضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

تذکرۂ اولیاء امتیاز احمد

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

حضرت خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمہ اللہ

آپ حضرت فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کے بھانجے اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے پڑپوتے تھے اس لحاظ سے آپ نجیب الطرفین (یعنی ننھیال اور ددھیال کی طرف سے عالی نسب) کہلائے۔

پیدائش وابتدائی تعلیم

آپ موضع کوتوال (ضلع ملتان) میں ۱۹/ ربیع الاوّل ۵۵۳ھ بمطابق ۱۱۰۵ء کو پیدا ہوئے، نسباً سیّد حسنی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، خواجہ علاؤ الدین بن شاہ عبدالرحیم عبدالسلام بن شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت پیر عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمہ اللہ۔ بچپن ہی سے آپ کی ذہانت اور حافظہ کا یہ عالم تھا کہ دوسرے بچے جو تعلیم مہینوں میں حاصل کرتے آپ چند دنوں میں حاصل فرما لیتے تھے چنانچہ آٹھ سال کی دینی تعلیم نے جو گھر پر ہی ہوئی آپ کو علومِ ظاہری میں کامل کر دیا لیکن آپ کا میلان علومِ باطنی کی طرف زیادہ تھا اس کے حصول کیلئے آپ ہر وقت بے چین اور پریشان رہتے تھے۔

آپ کی والدہ محترمہ نے سچّی تڑپ دیکھ کر آپ کو اپنے حقیقی بھائی حضرت فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں لے گئیں حضرت گنج شکر رحمہ اللہ نے ان کو مہمانوں کے قیام وطعام کا نگران بنا دیا۔

کمالِ تقویٰ

چنانچہ آپ کئی سال تک مہمانوں کی خدمت پر مامور رہے لیکن ماموں صاحب کی طرف سے صریح اجازت نہ ہونے کی وجہ سے اس انتظام میں سے کچھ نہ کھایا بلکہ اپنا کھانا علیحدہ سے رکھا ہوتا وہ کھاتے اور جب کبھی اپنے پاس میسر نہ ہوتا تو اجتماعی کھانے سے نہ کھاتے بلکہ روزہ رکھ لیتے۔

جب حضرت نے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بغیر اجازت کے اس مال میں سے ایک لقمہ بھی کھاؤں؟ آپ نے مجھے کھانا تقسیم کرنے کا نگران بنایا تھا نہ کہ اس میں سے کھانے کا، حضرت یہ جواب سن کر کافی متأثر ہوئے اور آپ کو صابر کا خطاب مرحمت فرمایا: اسی سے آپ صابر کے لقب سے مشہور ہوئے اور اس سلسلے کے لوگ صابری یا کلیری سے پکارے جاتے ہیں۔

آپ کی طرف ایک غلط بات کی شہرت

بہت سی تاریخ کی کتابوں میں حضرت کی طرف یہ واقعہ منسوب کیا جاتا ہے کہ جب آپ کا نکاح ہوا اور دلہن آپ کے کمرے میں پہنچی تو آپ عبادت میں مستغرق تھے سر اٹھا کر دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں تیری بیوی ہوں آپ نے غضبناک ہوکر ارشاد فرمایا کہ مجھے بیوی سے کیا واسطہ، یہ کہنا تھا کہ زمین سے آگ نکلی اور دلہن کو خاکستر کردیا۔ یہ مذکورہ واقعہ کسی معتقد نے یا کسی مخالف نے مشہور کردیا ہوگا بعض سوانح نگاروں نے اس کو نقل کردیا مؤرخین صرف ناقل ہوتے ہیں انہوں نے اس واقعہ کے صحیح وغلط ہونے کو نہیں دیکھا بس نقل کردیا اس لئے تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر ملے گا جو کہ درست نہیں کیونکہ بیوی یا کسی انسان کو جلادینا شرعاً درست نہیں (فتاوی محمودیہ۴/ ۵۵۶)

حضرت صابر کی کلیر آمد

حضرت فریدالدین رحمہ اللہ نے اپنے بھانجے اور عزیز مرید کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ کلیر جاؤ ،جب حضرت مخدوم کلیر تشریف لائے تو چند لوگوں نے جو آپ کی قدر نہیں پہچانتے تھے آپ کی مخالفت شروع کردی، آپ کو اور آپ کے مریدین کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کردیں پہلے تو آپ نے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا لیکن ان کی ایذاء رسانی انتہا کو پہنچ گئی، اسی اثناء میں کلیر میں وباء پھیلی اس بیماری میں بہت لوگ مرگئے اور شہر ویران ہوگیا کلیر کی تباہی کے بعد آپ کئی سال تک ایک گولر کے درخت کے نیچے ٹھہرے رہے اور ہمیشہ روزہ سے رہتے، سحری اور افطاری میں ایک ہی پکوان یعنی گولر ہوا کرتا تھا۔

مزار کی حفاظت

حضرت صابر کے وصال کے بعد کلیر پر ہندوؤں کا غلبہ ہوگیا اس وجہ سے بعض ہندوؤں نے مقبرہ میں بت خانہ بنالیا تھا اور بے حرمتی وغیرہ کا بھی ارادہ تھا کہ ایک دن اچانک جنگل کا شیر آیا اور کئی لوگوں کو مار کر اور بہت سوں کو زخمی کر کے جنگل میں غائب ہوگیا۔ آپ پر جلال کا غلبہ رہتا تھا وفات کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہیں ہوتی تھی

وفات

حضرت صابر کی وفات ۱۳/ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ کو ہوئی لفظ مخدوم آپ کی تاریخ وفات ہے پیران کلیر متصل رڑکی ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار ہے آپ کے مزار پر گنبد نورالدین جہانگیر رحمہ اللہ نے تعمیر کروایا تھا

(خزینۃ الاولیاء، تاریخ فرشتہ، تذکرۂ اولیائے پاک وہند، تاریخ مشائخ چشت)

پیارے بچو! حافظ محمد ناصر

بچوں کے بڑے ہونے کی عمر کیا ہے؟

پیارے بچو! جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہر شخص اُسے بچہ ہی سمجھتا ہے، اُس وقت نہ وہ بول سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ وہ چل سکتا ہے، نہ کھا سکتا ہے، اُس بچے کا کام صرف لیٹے رہنا یا پھر سوتے رہنا ہوتا ہے۔

اس طرح دن، ہفتے، مہینے اور سال گزرتے رہتے ہیں، اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ بولنا اور چلنا پھرنا بھی سیکھ لیتا ہے، لیکن ابھی تک وہ اپنے گھر میں آزاد ہوتا ہے، جب چاہا سولیا، جب چاہا اُٹھ گیا، جب بھوک لگی تو رودھو کر کھانا حاصل کرلیا، اس پر کوئی فکر اور کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا رہتا ہے، پھر جب اُس کی عمر کچھ زیادہ ہو جاتی ہے، تو اب بچے پر اُس کے بڑے کچھ ذمہ داریاں ڈالنا شروع کردیتے ہیں۔

کچھ بچوں پر پڑھائی کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے، جن میں سے کچھ بچے دینی مدرسوں میں داخل ہوتے ہیں، اور دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کردیتے ہیں، قاعدہ پڑھتے ہیں، پھر قرآن مجید دیکھ کر پڑھتے ہیں، جسے ناظرہ قرآن مجید پڑھنا کہتے ہیں، اور بعض بچے زبانی قرآن مجید یاد کرتے ہیں، جسے قرآن مجید حفظ کرنا کہتے ہیں۔

جبکہ کچھ بچے وہ ہوتے ہیں جو سکول میں داخل ہوتے ہیں، اور سکول کی تعلیم حاصل کرنا شروع کردیتے ہیں۔

لیکن کچھ بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے نہ دین کا علم حاصل کرپاتے ہیں اور نہ دنیا کی تعلیم حاصل کرپاتے ہیں، بلکہ کوئی کام کاج کرنا شروع کردیتے ہیں۔

بہر حال بچے ہمیشہ ایک ہی عمر کے نہیں رہتے، بلکہ ہر بچے کی عمر آہستہ آہستہ زیادہ ہوتی رہتی ہے، اور اس کی ذمہ داریاں اور کام کاج بھی آہستہ آہستہ زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔

پیارے بچو! جس طرح جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں، اور ذمہ داریوں سے آزاد ہوتے ہیں، اور اُنہیں کوئی فکر نہیں ہوتی، لیکن بڑے ہونے کے بعد اُن بچوں پر والدین اور استادوں کی طرف سے ذمہ داریاں پڑتی رہتی ہیں، اور بچے والدین یا استادوں کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ میاں نے بھی چھوٹے بچوں کو بڑے ہونے سے پہلے پہلے ذمہ داریوں سے آزاد رکھا ہے، لیکن جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے، تو پھر وہ اللہ میاں کی نظروں میں بھی بچہ نہیں رہتا بلکہ بڑا ہو جاتا ہے، اور ایسے بڑے بچوں کو ہمارے دینِ اسلام کی زبان میں بچے کے لیے بالغ ہونا اور بچی کے لیے بالغہ ہونا کہتے ہیں۔

بچو! شاید تم سوچ رہے ہو کہ بچہ یا بچی اللہ میاں کی نظروں میں کب بڑے ہوتے ہیں، یعنی بچہ کب بالغ اور بچی کب بالغہ ہوتی ہے؟ تو یہ سوال بہت اہم ہے، اس لیے اس کا جواب اچھی طرح یاد رکھنا۔

تو پہلے تو یہ بات سمجھ لو! کہ سال دو طرح کے ہیں، ایک اسلامی سال، دوسرے انگریزی سال؛ اسی طرح مہینے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک اسلامی مہینے، دوسرے انگریزی مہینے، انگریزی مہینوں کے نام تو تمہیں یاد ہوں گے، مگر اسلامی مہینوں کے سارے نام شاید تمہیں یاد نہ ہوں، اس لئے تمہیں پہلے اسلامی مہینوں کے نام بتلائے جاتے ہیں۔

امید ہے کہ تم ان مہینوں کے نام اچھی طرح یاد کر لو گے، تو سنو! اسلامی مہینوں کے نام یہ ہیں:

(۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاوّل (۴) ربیع الثّانی (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الاُخریٰ (۷) رجب (۸) شعبان (۹) رمضان (۱۰) شوال (۱۱) ذیقعدہ (۱۲) ذی الحجّہ

بچو! اب سمجھو کہ لڑکا یا لڑکی کے لیے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بڑا ہونے یعنی بالغ یا بالغہ ہونے کا تعلق اسلامی سال کے حساب سے ہے، اسلامی سال کے حساب سے بچی نو (9) سال کی عمر کے بعد بڑی یعنی بالغہ ہو سکتی ہے، نو (9) سال کی عمر سے پہلے بچی بالغہ نہیں ہو سکتی؛ اور بچہ بارہ (12) سال کی عمر کے بعد بڑا یعنی بالغ ہو سکتا ہے، بارہ (12) سال کی عمر سے پہلے بچہ بالغ نہیں ہو سکتا۔

پھر بچی نو سال کی عمر کے بعد سے پندرہ (15) سال کی عمر تک اور بچہ بارہ سال کی عمر کے بعد سے پندرہ (15) سال کی عمر تک بالغ ہونے کی کسی نشانی کے ظاہر ہونے سے بالغ ہو جاتا ہے۔

لیکن جب لڑکے یا لڑکی کی عمر اسلامی سال کے حساب سے پندرہ سال ہو جائے، اور اُن میں بالغ ہونے کی کوئی نشانی ظاہر نہ ہوئی ہو تو پھر دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بڑے یعنی بالغ ہو جاتے ہیں۔

بچو! شاید تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ بالغ ہونے کی کیا نشانیاں ہیں؟ تو اس کا جواب کچھ لمبا ہے، اس لیے تم اپنے کسی بڑے سے بالغ ہونے کی نشانیاں پوچھ لینا، اور اُنہیں یاد رکھنا۔

Idara Ghufran

بچو! جب کوئی لڑکا بالغ اورلڑکی بالغہ ہوجاتی ہے، تو پھر بالغ ہونے کے بعد وہ بچے نہیں رہتے بلکہ بڑے ہوجاتے ہیں، اس لیے بالغ لڑکوں اورلڑکیوں کو یہ سمجھنا کہ ابھی تو ہم بچے اور چھوٹے ہیں، ٹھیک نہیں؛ کیونکہ بالغ ہونے کے بعد انسان پر اللہ میاں کی طرف سے بہت ساری ذمہ داریاں پڑجاتی ہیں، مثلاً نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور دوسرے نیکی کے کام کرنا ضروری ہوجاتے ہے، جسے ہمارے دینِ اسلام میں فرض ہونا کہتے ہیں۔

اسی طرح بالغ ہونے کے بعد انسان پر گناہ کے کاموں سے بچنا مثلاً جھوٹ نہ بولنا، دھوکہ نہ دینا، گالیاں نہ دینا اور دوسرے گناہ کے کاموں سے بچنا بھی ضروری ہوجاتا ہے، ان گناہ کے کاموں کو ہمارے دینِ اسلام میں حرام کام کہتے ہیں۔

بچو! ہمارے دینِ اسلام میں زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کی عمر ہونے پر انسان بالغ ہوجاتا ہے، اور بالغ انسان پر اللہ میاں کے حکم پورے کرنا، نیکی کے کام کرنا، اور گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔

اس لیے بالغ ہونے کے بعد اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا یا بچہ سمجھنا ٹھیک نہیں بلکہ بالغ ہونے کے بعد یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہم چھوٹے نہیں رہے بلکہ اللہ میاں کی نظروں میں بڑے ہوگئے ہیں۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۸۰ ''پردے کی اہمیت اوراس کے چند ضروری احکام''﴾

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ خواتین پردے کے پہلے اوراعلیٰ درجے پراللہ تعالیٰ کی رضاوقرب حاصل کرنے کے ارادے سے عمل پیرا ہوکر حق تعالیٰ کا قرب بآسانی حاصل کرسکتی ہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر کے اندرونی حصے میں رہ کر بھی خواتین اصلی وحقیقی ترقی حاصل کرسکتی ہیں۔ موجودہ زمانے کی عورتیں خصوصاً نئی نسل کی لڑکیاں اس سے تقریباً بالکل غافل ہیں۔

دینِ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ہر مردوعورت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگے اوراس کی نزدیکی حاصل کرے۔ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے بے پردہ ہوکر باہر نکلنے سے عورت اللہ تعالیٰ سے دوراور شیطان سے قریب ہوجاتی ہے۔ لیکن آجکل اکثر عورتیں گھر میں رہنے سے گھبراتی ہیں اوراس کو اپنی آزادی کے خلاف سمجھتی ہیں اور مختلف طرح کے حیلے بہانوں سے باہر نکلنے کی کوشش میں رہتی ہیں، یہاں تک کہ بہت ساری عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی توروزانہ گھر سے باہر نکلنے کی مستقل عادت ہے۔

اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین وفقکم اللہ......(جاری ہے......)

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

پردے کی اہمیت اور اس کے چند ضروری احکام (قسط۲)

پردے کے پہلے درجے کا ثبوت حدیث سے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں (جامع ترمذی)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں ''عربی زبان میں ''عورت'' اس چیز یا اس حصۂ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے ''اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ'' یعنی صنفِ خواتین کی نوعیت یہی ہے، ان کو پردے میں رہنا چاہئے۔

آگے فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع (ممکنہ حد تک۔از ناقل) باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تاکہ شیطان اور اُن کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے اور اگر ضرورت سے نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو قرآن مجید کی آیت ''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى'' میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد ہے: ''انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحوائجکن'' ''یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے'' (معارف الحدیث ج۶ ص۳۲۶ و ۳۲۷)

اسی مفہوم سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی ہے جس کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے اوسط میں نقل فرمایا ہے اس

Idara Ghufran

حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ عورت کے گھر میں رہنے کا پسندیدہ ہونا بتایا گیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ وَ اِنَّھَا اِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَیْتِھَا اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ وَاِنَّھَا لَا تَکُوْنُ اَقْرَبَ اِلَی اللّٰہِ مِنْھَا فِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا

(رواہ الطبرانی فی الاوسط و رجالہ رجال الصحیح کذا فی الترغیب والترھیب للمنذری ج ۱ ص ۲۲۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہوتی ہے جب کہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے (طبرانی فی الاوسط)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اول تو عورت کا مرتبہ بتایا ہے یعنی یہ کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے عورت کو بحیثیت عورت کے پردے کے اندر رہنا لازم ہے جو عورت پردے سے باہر پھرنے لگے وہ حدودِ نسوانیت سے باہر ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر تاکنا شروع کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب عورت باہر نکلے گی تو شیطان کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگ اس کے خدوخال اور حسن و جمال اور لباس و پوشاک پر نظر ڈال ڈال کر نفس کو لذت دیں، آنکھیں لڑانے کی کوشش کریں اور مقصد برآری کے لئے راستے نکالیں یہ تمام حرکات عورت کے باہر نکلنے سے وجود میں آئیں گی حدیث کا اندازِ بیان کچھ ایسا بتا رہا ہے کہ پردے کے اہتمام کے ساتھ بھی عورت کو باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا باہر نکلنا شیطان کو بہت مرغوب و محبوب ہے جو لوگ عورتوں کو پردہ شکن بنانا چاہتے ہیں اور اُن کو بازاروں اور پارکوں اور میلوں میں بے پردہ پھرانے کے حامی ہیں وہ شیطان کے مشن کو پورا کر رہے ہیں اور اُس کے مقصد کی تکمیل کے لئے تحریر و تقریر سے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ دیوے اور ان کو کارِ شیطان (شیطان کے کام) کی حمایت سے ہٹا کر نبیوں کے مقصدِ بعثت پر لگا دے۔ آمین

حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی نزدیکی (یعنی قرب) کی طلب (خواہش) اور رغبت ہے وہ گھر ہی کے اندر رہنے کو پسند کرتی ہیں۔ اور ممکنہ حد تک گھر سے باہر نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

﴿بقیہ صفحہ ۷۸ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آپ کے دینی مسائل کاحل ادارہ

فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنا افضل ہے

سوال:...... آج کل بعض مساجد میں فجر کی نماز اندھیرے میں بہت جلدی پڑھ لی جاتی ہے، آپ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کیا یہ طرزِ عمل مناسب ہے؟ پھر شریعت کی اس بارے میں کیا تعلیم ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:...... فجر کی نماز اسفار (خوب اجالے) میں پڑھنا افضل ہے، حضور ﷺ کا معمول فجر کی نماز کو خوب روشنی پھیل جانے کے بعد ہی پڑھنے کا تھا، اور آپ نے فجر کی نماز روشنی ہی میں پڑھنے کی دوسروں کو تاکید بھی فرمائی اور بڑے اجر کا باعث بتلا کر اس کی ترغیب بھی دی۔

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ صحابۂ کرام کا معمول بھی فجر کی نماز اسفار ہی میں پڑھنے کا تھا، چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام جس قدر فجر کی نماز کے خوب روشن کر کے پڑھنے پر متفق تھے، اتنا کسی اور چیز پر نہیں تھے۔

فجر کی جماعت تاخیر سے پڑھنے میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جماعت میں شرکت کا موقع حاصل ہو جاتا ہے۔ [۱]

اس کے علاوہ آج کے پرفتن دور میں روشنی ہونے کے بعد مسجد میں آمدورفت میں کئی قسم کے فتنوں سے حفاظت بھی رہتی ہے۔ [۲]

---

[۱] والتنویر بصلاۃ الفجر افضل من التغلیس بھا عندنا (المبسوط، باب مواقیت الصلاۃ)

والذی یؤیدہ کلام الشراح ان ماذکرہ ائمتنا من استحباب الاسفار بالفجر والابراد بظھر الصیف معللا بان فیہ تکثیر الجماعۃ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ)

ولان فی التغلیس تقلیل الجماعۃ لکونہ وقت نوم وغفلۃ، وفی الاسفار تکثیرھا فکان افضل (بدائع الصنائع، فصل شرائط ارکان الصلاۃ)

ولان فی الاسفار تکثیر الجماعۃ وفی التغلیس تقلیلھا، ومایؤدی الی تکثیر الجماعۃ فھو افضل ولان المکث فی مکان الصلاۃ حتی تطلع الشمس مندوب الیہ (المبسوط للسرخسی، باب مواقیت الصلاۃ)

[۲] خصوصاً آج کے دور میں فجر کی نماز تاخیر سے پڑھے جانے کی اہمیت اور بھی واضح ہوگئی ہے، چنانچہ ایسے واقعات سننے میں آتے رہتے ہیں کہ صبح سویرے کے اندھیرے میں نماز پڑھنے کے لئے جانے والوں کو بعض ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، یا اس دوران بعض گھروں یا مسجدوں میں وارداتیں ہوگئیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے کرام نے فرمایا کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کی جائے کہ سنت کے مطابق قرأت کے ساتھ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر نماز فاسد ہونے کی وجہ سے دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت پیش آئے تو سنت کے مطابق دوبارہ فجر کی نماز پڑھی جاسکے۔

تجربہ سے ثابت ہوا کہ سورج طلوع ہونے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے نماز پڑھنے کی صورت میں مذکورہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے (کذافی احسن الفتاویٰ ج۲ص۱۴۱) [۱]

البتہ خواتین کو ہمیشہ فجر کی نماز صبح صادق کے بعد اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

اور اسی طرح حج کرنے والوں کو مزدلفہ میں وقوف کے وقت فجر کی نماز صبح صادق ہونے کے بعد اول وقت میں پڑھنا افضل ہے (کذافی عمدۃ الفقہ حصہ دوم صفحہ۱۸) [۲]

لہٰذا جن مساجد میں فجر کی نماز روشنی ہونے سے پہلے اندھیرے میں پڑھ لی جاتی ہے، یہ طریقہ سنت اور صحابۂ کرام کے طرزِ عمل کے مطابق نہیں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (ترمذی ج ۱ ص ۴۰ حدیث نمبر ۱۴۲، باب ماجاء فی الاسفار، مسند احمد حدیث نمبر ۱۶۶۴۱ وحدیث نمبر ۱۶۶۴۸ وحدیث نمبر ۲۲۵۲۷،مصنف ابنِ ابی شیبۃ، السنن الکبریٰ للبیھقی، معجم کبیر للطبرانی، سنن الدارمی، مسند الحمیدی، صحیح ابنِ حبان، مسند طیالسی)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کو خوب روشنی میں پڑھو، کیونکہ اس

﴿گزشتہ صفحے کا باقی حاشیہ﴾ اور خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معمول فجر کو جلدی اندھیرے میں پڑھنے کا تھا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فجر کی نماز کے لئے مسجد میں آنے کے لئے محراب میں چھپے ہوئے دشمن کی طرف سے حملہ کا واقعہ رونما ہوا، تو اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فجر کی نماز تاخیر سے روشنی ہوجانے کے بعد پڑھنا شروع کی۔

حدثنا مغیث بن سمی قال صلیت مع عبداللہ بن الزبیر الصبح بغلس فلما سلم اقبلت علی ابن عمر فقلت ماھذہ الصلاۃ قال ھذہ صلاتنا کانت مع رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر فلما طعن عمر اسفر بھا عثمان (ابن ماجہ حدیث نمبر ۶۶۳)

[۱] (وندب تاخیر الفجر) ای یستحب تاخیر الفجر ولایؤخرھا بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفر بھا بحیث لو ظھر فسادہ یمکنہ ان یعیدھا فی الوقت بقراء ۃ مستحبۃ وقیل یؤخرھا جدا، لان الفساد موھوم فلا یترک المستحب لاجلہ (تبیین الحقائق ،کتاب الصلاۃ، الاوقات التی یستحب فیھا الصلاۃ)

[۲] قولہ(ومطلقا)ای ولو فی غیر مزدلفۃ لبناء حالھن علی الستر وھو فی الظلام اتم (ردالمحتار ،کتاب الصلاۃ)

میں بہت بڑا ثواب ہے (ترجمہ ختم)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا اَسْفَرْتُمْ بِالصُّبْحِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (نسائی ج ا ص ۶۵، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث نمبر ۱۵۳۱، معجم کبیر للطبرانی) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا تم فجر کو روشن کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا (ترجمہ ختم)

حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَسْفِرُوْا بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَهُوَ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۱۸۲)

ترجمہ: تم صبح کی نماز روشنی کر کے پڑھا کرو، کیونکہ اس میں عظیم الشان ثواب ہے (ترجمہ ختم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَسْفِرُوْا بِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر ۱۰۲۲۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو، کیونکہ اس میں بڑا اجر ہے (ترجمہ ختم) [۲]

حضرت بیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ:

حَدَّثْنِیْ بِوَقْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِی الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُصَلِّی الظُّهْرَ عِنْدَ دُلُوْكِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّی الْعَصْرَ بَيْنَ صَلَاتِكُمُ الْاُوْلٰی وَكَانَ يُصَلِّی الْمَغْرِبَ عِنْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّی الْعِشَاءَ عِنْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّی الْغَدَاةَ عِنْدَ الْفَجْرِ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الْبَصَرُ كُلُّ مَابَيْنَ ذَالِكَ وَقْتٍ اَوْ قَالَ صَلَاةٍ (مسندابویعلیٰ حدیث نمبر ۳۸۹۵، واسنادہٗ حسن، مجمع الزوائد، باب بیان الوقت)

ترجمہ: آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات بتلایئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ظہر کو سورج کے ڈھل جانے کے وقت پڑھتے تھے، اور عصر تمہاری دونوں

---

[۱] ورجال هذا السند ثقات (الجوهر النقی)

[۲] مذکورہ دونوں روایتوں میں ''اسفروا'' کے بعد ''صلاۃ الصبح'' کی قید سے بعض لوگوں کی اس تاویل کا جواب ہوگیا، جنہوں نے اس قسم کی روایات میں ''اسفروا'' سے سفر کا حکم مراد لیا ہے، اور کہا ہے کہ ان روایات سے صبح کے وقت سفر کرنے کی ترغیب مقصود ہے۔

Idara Ghufran

نمازوں میں سے پہلی (ظہر) اور عصر (کے وقت) کے درمیان پڑھتے تھے، اور مغرب سورج غروب ہونے کے وقت پڑھتے تھے، اور عشاء شفق غروب ہونے کے وقت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز فجر کے اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی، ان کے درمیان نماز کا وقت ہے یا نماز ہے (ترجمہ ختم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک لمبی روایت میں فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ......يُصَلِّى الصُّبْحَ اِلٰى اَنْ يَّنْفَسِحَ الْبَصَرُ (سنن النسائی حدیث نمبر ۵۴۹ واللفظ لہٗ، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث نمبر ۱۵۳۲، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۸۶۲، وحدیث نمبر ۱۲۲۶۲، مسند الطیالسی حدیث نمبر ۲۲۳۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جس وقت کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی (ترجمہ ختم)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ نَوِّرْ بِالْفَجْرِ قَدْرَ مَا يُبْصِرُ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۴۲۸۸، واسنادہ حسن، آثار السنن ص ۵۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ فجر کو روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ اپنے تیراندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں (ترجمہ ختم)

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ عَبْدُاللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الْغَدَاةِ (معجم کبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے (ترجمہ ختم)

حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ لِمُؤَذِّنِهٖ اَسْفِرْ اَسْفِرْ يَعْنِىْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ

(مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۶۹، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۲۱، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۳)

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ اپنے مؤذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اجالا

---

[1] قال الالبانی: واسنادہ صحیح رجالہ رجال الشیخین غیر ابی صدقۃ ھذا واسمہ نوبۃ الانصاری البصری اوردہ ابن حبان فی الثقات (ارواء الغلیل ج ۱ ص ۲۷۹)

کروخوب اجالا کرو، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو(ترجمہ ختم)

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰی بِنَا مُعَاوِیَةُ الصُّبحَ بِغَلَسٍ فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ اَسْفِرُوْا بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فَاِنَّهٗ اَفْقَهُ لَكُمْ اِنَّمَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَخَلَّوْا بِحَوَائِجِكُمْ (طحاوی ج ۱ ص ۱۲۶ ،باب الوقت الذی یصلی فیه الفجر)

ترجمہ: ہمیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی، حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ اس نماز کو خوب اجالے میں پڑھو، کیونکہ یہ تمہارے لئے زیادہ سمجھداری کی بات ہے،تم چاہتے ہو کہ اپنے کام کاج کے لئے فارغ ہوجاؤ(ترجمہ ختم)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا،تو آپ ہر نماز کے وقت کے بارے میں حضورﷺ کے عمل کو بتلاتے ، یہاں تک کہ آپ فجر کی نماز کے بارے میں فرماتے:

وَكَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّی الْفَجْرَ حَتّٰی یَتَغَشَّی النُّوْرُ السَّمَاءَ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۵۳۱۹ ، مجمع الزوائد،باب وقت الظهر)

ترجمہ: اور نبی ﷺ فجر کی نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ روشنی آسمان پر چھا جاتی(ترجمہ ختم)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ:

مَااَجْمَعَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ عَلٰی شَیْئٍ مَااَجْمَعُوْا عَلَی التَّنْوِیْرِ بِالْفَجْرِ (مصنف ابن ابی شیبة ج ۱ ص ۳۲۲ واللفظ لهٗ، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۶ ،باب الوقت الذی یصلی فیه الفجر)

ترجمہ: صحابۂ کرام کا کسی چیز پر اتنا اتفاقِ رائے نہیں جتنا اتفاق نمازِ فجر کے رشنی میں پڑھنے پر ہے(ترجمہ ختم)

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان۔۲۱/شوال/۱۴۲۹ھ

دارالافتاء والاصلاح ادارہ غفران راولپنڈی

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب:مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات،مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

سوالات وجوابات

۲۰ربیع الاول۱۴۲۴ھ بعد نماز جمعہ کے سوالات اور حضرت مدیر کی طرف سے ان کے جوابات

ان مضامین کو ریکارڈ کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے،ٹیپ سے نقل کرنے کی خدمت مولانا ابرار حسین ستی صاحب نے اور نظر ثانی،ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا مفتی محمد یونس صاحب نے انجام دی ہے،اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کوشرفِ قبولیت عطا فرمائیں......ادارہ

جمعہ کی نماز شروع کر کے ظہر لازم آنے کی ایک صورت

سوال: جمعہ کی نماز میں اگر دورانِ نماز کسی کا وضوٹوٹ جائے،اور جب وہ واپس آئے تو جماعت ہو چکی ہو،تو کیا اب جمعہ کے دوفرض مکمل کرے گا،یا ظہر کے چار فرض مکمل کرے گا؟

جواب: اگرکسی کا وضو نمازِ جمعہ کے دوران ٹوٹ گیا اور جب وہ واپس آیا تو نمازِ جمعہ کی جماعت ہو چکی تھی تو اس کو چاہئے کہ ظہر کے چار فرض مکمل کرے،اب اس کا جمعہ نکل گیا ہے،کیونکہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے جماعت شرط ہے۔

(ان صاحب نے دوبارہ سوال کیا کہ اگر اس نے پہلے خطبہ سن لیا ہو تو کیا پھر بھی ظہر پڑھے گا؟)

(جواب میں ارشاد فرمایا) بے شک سن لیا ہو مگر وہ ظہر کی نماز ہی مکمل کرے گا،ہاں اگر کسی دوسری جگہ جمعہ ہو رہا ہو اور وہاں اس کو جماعت مل جانے کا یقین ہو تو دوسری جگہ جا کر جمعہ کی نماز ادا کرے(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جمعۃ المبارک کے فضائل واحکام صفحہ ۲۲۳ مصنفہ مفتی رضوان صاحب)

جہاد کی فرضیت

سوال: اسلام میں جہاد فرض ہے،لیکن اگر گھر والے کسی کو اجازت نہ دیں تو یہ شخص کس حالت میں مرے گا،یعنی منافقت کے شعبے میں یا یہودی اور نصرانی ہو کر موت آئے گی؟

جواب: جہاد کے بارے میں قرآن وحدیث کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی رہتی ہے،کہ جہاد کبھی

بھی فرضِ کفایہ سے نیچے نہیں رہتا، یعنی عام حالات میں یہ فرض کفایہ ہوتا ہے، اس کو ہر حال میں فرضِ عین بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض لوگ اس انتظار میں ہوتے ہیں، کہ جہاد فرضِ عین بنے تو پھر اس کو کیا جائے، دراصل آج کل بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے، کہ جو چیز فرضِ عین ہو، وہ تو کرنے کی ہوتی ہے، اور جو چیز فرضِ عین نہ ہو وہ کرنے کی نہیں ہوتی۔

حالانکہ ایسی بات نہیں، کیونکہ اسلام میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں، جو فرضِ عین نہیں، بلکہ فرضِ کفایہ ہیں، یا واجب ہیں، یا سنت ہیں، یا مستحب ہیں، مگر پھر بھی بے شمار لوگ ان کو انجام دیتے ہیں، چنانچہ جنازہ ہی کو لے لیجئے، کہ یہ فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں مگر کتنے لوگ جوق در جوق اس میں حصہ لیتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ فرضِ عین تو ہے نہیں لہٰذا ہمیں جنازے میں نہیں جانا چاہئیے۔

اس لئے اس انتظار میں رہنا کہ فرض عین ہونے کا فتویٰ لگے تو پھر ہم اس کو کریں، یہ غلط سوچ ہے، اور فرضِ عین کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ پھر عورتوں کا نکلنا بھی ضروری ہو چکا، ماں باپ کا نکلنا بھی ضروری ہو چکا، اولاد کا نکلنا بھی ضروری ہو چکا۔

اب جو شخص یہ بات پوچھ رہا ہے، اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ فرضِ عین کا فتویٰ لگانا تو آسان ہے، مگر اس پر عمل بہت مشکل ہے۔

بہرحال جہاد عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین بعض مخصوص حالات میں بنتا ہے، اور وہ حالات کس وقت منطبق ہوتے ہیں؟ یہ ایک اجتہادی یا غور طلب مسئلہ ہے، ہمیں اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں، بہرحال عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے۔

اور فرضِ کفایہ بھی مان لیا جائے تو اس کی اتنی تعداد کا ہونا کہ دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے یہ فرضِ کفایہ ہے، کفایہ کا مطلب ہے، کافی ہو جانا، اگر کافروں کے مقابلے کے لئے یہ تعداد کافی نہیں جو کہ موجود ہے تو کفایہ ادا نہیں ہوا۔

اور جہاد جو ہم نے صرف اس چیز کا نام رکھ دیا ہے کہ محاذ پر جائیں اور جا کر اس کا مقابلہ کریں، اور اُدھر سے میزائل برس رہے ہیں اور اِدھر سے ہم سامنے کھڑے ہوئے ہوں، یا اوپر سے میزائل گریں اور ہم نیچے ہوں۔

جہاد صرف اسی کا نام نہیں ہے، بلکہ جہاد جہد سے نکلا ہے،اوراس میں وہ تمام جدوجہداور تدابیر شامل ہیں جو دشمن (نفس وشیطان اور کافروں) کی طاقت کو روک سکیں،اب اگر دشمن کی طاقت مادی ہے تو ہمیں مادی وسائل کا اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا،ایمانی طاقت تو بہرحال ضروری ہے ہی،اس کے بغیر تو جہاد ہوتا ہی نہیں،اگر کسی میں ایمان نہ ہوتو وہ جنگ ہے،لڑائی جھگڑا ہے، جب ایمان ہوگا اور وہ ایمان کے جذبے سے جائے گا،تب اس کو کہا جائے گا کہ وہ ایمان کی وجہ سے جارہا ہے۔

جہاد دراصل دین کا ایک شعبہ ہے اوراس کو دین کا شعبہ سمجھ کر ہی کرنا چاہیئے ، یہ نہیں کہ جہاد کا جذبہ تو ہے، لیکن نماز کا نہیں، گناہوں سے بچنے کا نہیں، اور روزے کا نہیں، زکوٰۃ کا نہیں، بڑے بڑے احکامات چھوڑ رہا ہے،ان کا تقاضا نہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ جہاد کا تقاضا برا ہے،لیکن دوسرے احکام کی اہمیت اور وقعت دل میں نہ ہونے کی صورت میں اس میں اخلاص اور نورانیت نہیں ہوگی، اس میں کچھ ملاوٹ کا عنصر شامل ہوگا،اس لئے کہ جو شخص کسی کام کو اللہ کا حکم سمجھ کر کرتا ہے،تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کا بھی خیال رکھتا ہے۔

اور سوال میں جو منافقت کی موت کا ڈر بتلایا گیا ہے تو سمجھ لیجیے کہ ایک حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا،اور جس میں ان میں سے ایک چیز ہوگی وہ منافق کی خصلت پر ہوگا،ان میں سے ایک یہ ہے ’’اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ‘‘ کہ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، یہاں وعدہ خلافی کرنے کو منافقت بتلایا گیا،اور دوسری بات ’’اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ‘‘ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

اب یہ جھوٹ کتنا عام ہے، بہت عام ہو چکا ہے، وعدہ خلافی کتنی عام ہے، رات دن ہم وعدے کرتے ہیں اور وعدوں کو پورا نہیں کرتے ، وعدہ کیا مکر گئے ، وعدہ کیا پھر گئے ، بے شمار وعدہ خلافیاں ہیں، یہ بھی خطرے کی بات ہے۔

بہرحال جہاد ایک پورے مجموعے کا نام ہے، کہ جذبہ بھی ہو اوراس جذبے میں بھی اخلاص ہو، ایمان بھی ہو،اوران تمام مادی وسائل کو مہیا کرنے کا بھی اہتمام کیا جائے ، یہ بھی جہاد ہوگا، ذہن سازی کی جائے یہ بھی جہاد میں داخل ہوگا۔

بہرحال عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے، والدین سے اجازت لے کر جانا چاہیئے ،ان کو بھی خوش کرنا

چاہئے، اور ان کو تیار کرنا چاہئے، اگر وہ راضی نہیں ہیں، تو دیکھنا چاہئے کیوں راضی نہیں ہیں، اگر اس وجہ سے راضی نہیں ہیں، کہ نیت میں اخلاص نہیں ہے، تب تو ناراض ہونے کا یہی سبب ہے، یا کسی اور وجہ سے جا رہا ہے، غرض فاسد ہے، تب تو ناراضگی کا سبب خود اس ہی کا اپنا عمل ہے۔

یا یہ ہے کہ انہیں خدمت کی ضرورت ہے اور کوئی اور خدمت کرنے والا نہیں، مثلاً دوسرا بھائی وغیرہ، اور وہ خدمت کے مستحق ہیں، جانی خدمت کے مستحق ہیں، یا مالی خدمت کے مستحق ہیں محتاج ہیں اور کوئی اور متبادل موجود نہیں ہے، اس لئے منع کر رہے ہیں، تب تو ان کا منع کرنا بجا ہے، اور اگر ان میں دین کی اہمیت نہیں ہے اس وجہ سے منع کر رہے ہیں، اور انہیں کوئی ضرر لاحق نہیں ہو رہا تب ان سے اجازت لینے کی کوشش تو کرنی چاہئیے، لیکن ایسے وقت اجازت لینا ضروری نہیں ہوگا۔

مگر یہ معاملہ یک طرفہ نہیں ہے کہ جسے اجازت نہ مل رہی ہو وہ اجازت نہ ملنے پر فتوی لے لے، بلکہ جو اجازت نہیں دے رہے، ان کا موقف بھی سامنے آنا ضروری ہے، کہ وہ کس وجہ سے اجازت نہیں دے رہے، یہ دو فریقوں اور پارٹیوں کا معاملہ ہے، ایک فریق اور ایک پارٹی کے بیان پر فتوی جاری نہیں ہوسکتا، پھر ایک شخص جہاد کا جذبہ رکھتا ہے، مگر جانے کے حالات نہیں ہیں اور وہ کسی وجہ سے جا نہیں سکا، تو اس کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ وہ منافقت کی موت مرے گا۔

بلکہ منافقت کی وعید اس کے بارے میں ہے جو عملی طور پر کسی کام کو کرسکتا تھا، کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، اور کوئی اور ذمہ داری بھی نہیں تھی، پھر بھی نہیں گیا تو اس کے حق میں یہ وعید ہے، نیز اس کے ساتھ ساتھ یہ قید بھی ہے، کہ جہاد کے کسی شعبہ میں بھی حصہ نہیں لیا۔

آج کل جہاد کے دوسرے شعبے بھی بہت زیادہ اہم بن چکے ہیں، صرف یہی نہیں کہ لڑنا جہاد ہے، بلکہ اس کے لئے وسائل کا مہیا کرنا، اس کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کرنا، اس کے لئے تعاون کرنا، یہ تمام چیزیں جہاد کے لئے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

اگر کوئی ان چیزوں میں حصہ لیتا ہے، اور تعاون کرتا ہے، تو وہ شخص بھی جہاد میں شریک اور حصہ دار کہلائے گا، اور وہ منافقت کی موت نہیں مرے گا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ''جہاد'' از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، و رسالہ ''جہاد'' از مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیۡ ذَالِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾ ابوجویریہ

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت اسماعیل علیہ السلام (قسط۱۰)

ذبیح حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحٰق علیہما السلام

گزشتہ اقساط میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ذبح کا جو واقعہ بیان ہوا وہ یہ بات تسلیم کرتے ہوئے بیان گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔

لیکن درحقیقت اس معاملہ میں مفسرین اور مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عباس، حضرت ابن عباس، حضرت عکرمہ، حضرت کعب الاحبار، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت قتادہ، مسروق، عکرمہ، عطاء، مقاتل، زہری اور سدی رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ وہ صاحبزادے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔

اسکے برخلاف حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم اور حضرت سعید بن المسیب، ابوجعفر الباقر، ابوصالح، ربیع بن حسن، کلبی، ابوعمرو بن العلاء، مجاہد، حضرت عمر بن عبدالعزیز، شعبی، محمد بن کعب قرظی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور دوسرے بہت سے تابعین سے منقول ہے کہ وہ صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔

بعد کے مفسرین میں سے حافظ ابنِ جریر طبری نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے دوسرے قول کو اختیار کرکے پہلے قول کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔اور ان کے علاوہ محدثین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

اس مختصر سے مضمون میں فریقین کے دلائل پر مکمل تبصرہ ممکن نہیں، تاہم قرآن مجید کے اسلوب بیان اور روایات کی قوت کے لحاظ سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن صاحبزادے کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے، اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......قرآن کریم نے بیٹے کی قربانی کا پورا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ

ترجمہ: اور ہم نے ان کو اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی کہ نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور تھے، اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ان کی قربانی کے واقعہ کے بعد دی گئی۔

(۲)......حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اسی بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی ہوں گے، اس کے علاوہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ حضرت اسحٰق کی پیدائش کے ساتھ یہ بشارت بھی دے دی گئی تھی کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے:

فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحٰقَ وَمِن وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ بڑی عمر تک زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ صاحبِ اولاد ہوں گے پھر انہی کو بچپن میں ذبح کرنے کا حکم کیونکر دیا جاسکتا تھا، اور اگر انہی کو بچپن میں نبوت سے قبل ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے کہ انہیں تو ابھی نبوت کے منصب پر فائز ہونا ہے اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش مقدر ہے اس لئے ذبح کرنے سے انہیں موت نہیں آ سکتی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں نہ یہ کوئی امتحان ہوتا، اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی انجام دہی میں کسی تعریف کے مستحق ہوتے۔

امتحان تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہوجائے گا اور اس کے بعد وہ ذبح کرنے کا اقدام کریں، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے زندہ رہنے اور نبی بننے کی کوئی پیشینگوئی نہیں فرمائی تھی۔

(۳)......قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعاء کی تھی، اسی دعاء کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور پھر اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، یہ سارا سلسلۂ واقعات بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم کا پہلا بیٹا تھا، ادھر یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں، اور حضرت اسحٰق ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ذبیح حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے۔

(۴)...... یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا ہے، اسی لئے اہلِ عرب میں برابر حج کے دوران قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا اس کے سینگ بڑے طویل زمانے تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ:

''میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں'' (ابن کثیر ص۱۸ ج۴)

اور حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اس مینڈھے کے سینگ مسلسل کعبہ میں لٹکے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانے میں) کعبۃ اللہ میں آتشزدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے'' (ایضاً ص۱۷ ج۲)

اب ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشریف فرما رہے ہیں، نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے۔ [1]

(۵)...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صابرین میں شمار فرما کر ان کی یہ صفت خصوصیت کے ساتھ بیان فرمائی ہے، اور اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ''صادق الوعد'' وعدے کو سچا ثابت کرنے والے کے الفاظ کے ساتھ ان کی تعریف کی گئی ہے، اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو خواب کے بارے میں بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کر گزریئے اور بعد میں انہوں نے اپنی اس بات پر عمل بھی کر دیا، اور ایسی کوئی صفت حضرت اسحاق علیہ السلام کے بارے منقول نہیں۔ [2]

(وھذاالتفصیل کلہ مستفاد من معارف القرآن عثمانی ج۷ص ۴۶۲ تا۴۶۶)

---

[1] وبان ما وقع کان بمکة واسماعیل هو الذی کان فیها وبان قرنی الکبش کان معلقین فی الکعبة حتی احترقا معها ایام حصار الحجاج بن الزبیر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وکان قد توارثهما قریش خلفا عن سلف والظاهر ان ذاک لم یکن منهم الا للفخر ولا یتم لهم اذاکان الکبش فدی لاسحاق دون ابیهم اسماعیل (تفسیر روح المعانی درذیل سوره الصافات آیت نمبر ۱۱۳)

[2] وبانه تعالیٰ وصف اسماعیل علیه السلام بالصبر فی قوله سبحانه (واسماعیل وادریس وذاالکفل کل من الصابرین :الانبیاء :۸۵)وبانه عزوجل وصفه بصدق الوعد فی قوله تعالیٰ (انه کان صادق الوعد:مریم ۵۴)ولم یصف سبحانه اسحاق بشیئ منهما فهو الانسب دونه بان یقول القائل (قال یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین :الصافات :۱۰۲)المصدق قوله بفعله (تفسیر روح المعانی درذیل سوره الصافات آیت نمبر ۱۱۳)

طب و صحت انتخاب از مقالات حکیم کلیم اختر مرزا

بعض معمولی امراض بعض خطرناک امراض کا پیش خیمہ ہوتے ہیں

بعض امراض دوسرے خطرناک امراض پر دلالت کرتے ہیں اس لئے ان ابتدائی اور معمولی امراض کو نظر انداز کر دینا یا ان کا مناسب اور صحیح علاج نہ کرنا آدمی کو ان خطرناک امراض میں مبتلا کر سکتا ہے۔

مثلاً نزلہ کو لوگ ایک عام اور معمولی مرض سمجھتے ہیں حالانکہ قدیم اطباء اس کو ''ابوالامراض'' قرار دیتے تھے، روزمرہ کے تجربات سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

چنانچہ آجکل سانس کے امراض روز بروز بڑھ رہے ہیں جو عموماً نزلہ کے غلط علاج سے یا علاج نہ کرنے سے بڑھ رہے ہیں۔ نزلہ اگر بالوں پر گرتا ہے تو بالوں کو وقت سے پہلے سفید کر دیتا ہے۔ اگر کانوں کی طرف اس کا رخ ہوتا ہے تو قوت سماعت جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح اگر آنکھوں کی طرف اس کی رطوبات کا رخ ہو تو قوت بصارت و بینائی کو متاثر کرتا ہے۔ اگر نزلہ دائمی اور پرانا ہو جائے تو دمہ، تپ دق اور سیل کا سبب بنتا ہے۔ بطور تجربہ دمہ اور ٹی بی کے مریضوں سے پوچھ کر دیکھیں کہ کیسے یہ مرض شروع ہوا تو عموماً جواب ملے گا کہ بس ابتداء میں نزلہ ہوا تھا پھر علاج نہ کرانے سے یا صحیح علاج نہ کرانے سے وہ آہستہ آہستہ بگڑتا چلا گیا۔ دائمی سردرد اور شقیقہ (آدھا سر درد) سے نزول الماء اور انتشار کا اندیشہ ہوتا ہے۔

چہرے کی جلد کا مسلسل پھڑکنا لقوہ ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے۔ پیٹ کا اختلاج (پھڑکنا) مرگی کی ابتدائی علامت ہے۔ پہلو کا اختلاج سینہ اور پہلو میں ورم ظاہر ہو جانے کے لئے خطرہ کا الارم ہے۔

تمام بدن کے اختلاج سے سکتہ کا اندیشہ ہوتا ہے، پیٹ کے عضلات کا اختلاج مالیخولیا کا خطرہ ظاہر کرتا ہے، جسم کے کسی بھی حصے کا پھڑکنا تشنج رطب کی خبر دیتا ہے، کسی عضو کا سُن ہو جانا فالج کی علامت بن سکتا ہے۔

معدہ کی سوزش ورم کا باعث بنتی ہے، اور اگر ورم کا علاج نہ کیا جائے تو یہ السر بن جاتا ہے، اگر السر کے علاج میں تاخیر کی جائے تو یہ سرطان (کینسر) بن جاتا ہے۔

الغرض بدن کے احوال کا تغیر مرض کے پیدا ہونے کی علامت ہے۔

اخبار ادارہ — مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب و روز

□......۱۸/۲۵/رمضان بروز جمعہ اور ۳/۱۰/۱۷/شوال بروز جمعہ تینوں مسجدوں (مسجد امیر معاویہ، مسجد بلال، مسجد گل نور ہوٹل) میں وعظ و مسائل کی نشستیں منعقد ہوتی رہیں، مسجد غفران میں بھی رمضان میں وعظ اور جمعہ کا سلسلہ جاری رہا۔

□......۲۳/رمضان بدھ چوبیسویں تراویح میں حضرت مدیر صاحب کا مسجد امیر معاویہ میں قرآن مجید مکمل ہوا، اس موقع پر حضرت مدیر صاحب کے بیان کے علاوہ مفتی محمد یونس صاحب اور بندہ محمد امجد کے مختصر بیانات بھی ہوئے۔

□......۲۴/رمضان جمعرات پچیسویں تراویح میں مولوی محمد ناصر صاحب کا مسجد نسیم میں قرآن مجید مکمل ہوا، اس موقع پر حضرت مدیر صاحب کا تفصیلی اور مفتی محمد یونس صاحب اور بندہ امجد کے بھی مختصر بیانات ہوئے، بیانات کے بعد مولوی ناصر صاحب کے گھر چند مخصوص حضرات کی ضیافت ہوئی۔

□......۲۴/ رمضان جمعرات کو پچیسویں تراویح میں بندہ امجد، مولوی طارق محمود صاحب، قاری محمد طاہر صاحب کا ادارہ غفران کے مختلف مقامات پر قرآن مجید مکمل ہوا۔

□......۲۵/رمضان جمعہ چھبیسویں تراویح میں مفتی محمد یونس صاحب کے ہاں مسجد بلال صادق آباد میں قرآن مجید مکمل ہوا۔

□...... ۲۶/ رمضان بروز ہفتہ حضرت مدیر صاحب کا مرکزی مسجد، گلشن آباد، اڈیالہ روڈ، راولپنڈی میں ظہر کی نماز کے بعد بیان ہوا۔

□...... ۲۶/ رمضان ہفتہ حضرت مدیر صاحب کا مسجد القریش، سید پوری گیٹ، راولپنڈی میں تراویح میں قرآن مجید کی تکمیل کے موقع پر بیان ہوا۔

□...... ۲۶/ رمضان ہفتہ حضرت مدیر صاحب جناب سہیل صاحب (ابن جناب حاجی محمد الیاس قریشی مرحوم، سید پوری گیٹ) کے یہاں افطار پر مدعو تھے۔

□...... ۲۷/ رمضان اتوار حضرت مدیر صاحب کا حنفیہ مسجد، فیکٹری کوارٹر (مغل آباد، راولپنڈی) میں فجر کی نماز کے بعد بیان ہوا، بیان کے بعد مسائل کی نشست بھی ہوئی۔ اسی روز دو پہر جناب مظہر قریشی صاحب مرحوم کے گھر محلّہ کرتار پورہ میں خواتین کے لئے اصلاحی بیان ہوا۔ اسی روز حضرت مدیر صاحب جناب زاہد الاسلام صاحب، بھابڑا بازار کے یہاں افطار پر مدعو رہے۔

□...... ۲۷/رمضان اتوار بعد ظہر ادارہ میں تعلیمی اور باقی شعبوں میں عیدالفطر کی تعطیلات کا اعلان ہوا۔ ۲۸

رمضان تا۱۰/شوال۔

□......یکم شوال بدھ تینوں مسجدوں میں عیدالفطر کی نماز اور بیان ہوا۔مسجد امیر معاویہ میں حضرت مدیر صاحب دامت برکاتھم ،مسجد بلال صادق آباد میں مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ اور مسجد غفران میں جناب حکیم فیضان صاحب کے برخوردار حافظ محمد فرحان نے عید کی نماز پڑھائی۔

□......۲/شوال جمعرات حضرت نواب صاحب کے دولت خانہ پر بعد ظہر حضرت مدیر صاحب ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ،ساتھ میں حضرت مدیر کے بھتیجے محمد حسان اور مفتی محمد یونس،مولوی ناصر صاحب اور بندہ محمد امجد بھی شریک تھے۔

□......۴/شوال ہفتہ حضرت مدیر صاحب کے عزیز جناب سرور صاحب (ملتان والوں) کا نوعمر بیٹا تیسری منزل کی چھت سے گر کر فوت ہوا۔اللہ تعالیٰ والدین کے لئے ذخیرہ بنائے اور والدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

□......۵/شوال اتوار مفتی ریاض محمد صاحب (متخصص :دارالعلوم کراچی)اور مولانا حیات اللہ صاحب عصر بعد حضرت مدیر صاحب سے ملاقات کے لیے ادارہ غفران میں تشریف لائے۔

□......۸/شوال بروز بدھ ادارہ غفران ٹرسٹ کا سالانہ شورائی اجلاس ہوا۔جس میں گذشتہ سال کی سب شعبوں کی کارگزاری اور مالیاتی گوشوارے اور حساب کتاب شوریٰ کے سامنے پیش کیا گیا،اور نئے سال کے نظم کے متعلق مشاورت ہوئی، اجلاس میں بیرونی ارکان شوریٰ میں سے حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (نائب رئیس جامعہ امدادیہ فیصل آباد) تشریف لائے اور شریک ہوئے ،حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب دامت برکاتھم (مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال) بوجہ مشاغل کے شرکت نہ فرما سکے۔

□......۱۲/شوال اتوار کو تعلیمی شعبہ جات میں نئے تعلیمی سال کے لئے داخلوں کا آغاز ہوا۔قدیم داخلوں کی تجدید ہوئی اور حسب گنجائش مزید داخلے ہوئے ،جمعرات ۱۶/شوال تک داخلوں کا عمل جاری رہا۔اتوار ۱۹شوال کو شعبہ کتب کے اسباق کا آغاز ہوا۔

□......۱۵/شوال بدھ بعد مغرب تا عشاء تعلیمی سال کے آغاز کے حوالے سے تقریب ہوئی جس میں زیر تعلیم بچے، بچیاں اوران کے والدین وسرپرست شریک ہوئے ،حضرت مدیر صاحب دامت برکاتھم کا بیان ہوا اور تعلیمی امور کے متعلق والدین وسرپرستوں کو ہدایات دی گئیں اور ادارہ کے تعلیمی نظم اور ضوابط سے آگاہ کیا گیا۔

□......۱۸/شوال ہفتہ ادارہ کے شعبہ ناظرہ بنین وبنات کی سب جماعتوں میں داخلوں کی تکمیل ہو کر تعلیم کا آغاز ہوگیا۔شعبہ حفظ میں اسباق کا آغاز داخلوں کے ساتھ ہی اتوار ۱۲شوال سے ہوا تھا۔

□......۲۰/شوال پیر مولانا عبدالسلام ناظم ماہنامہ التبلیغ کے ہاں بچی کی ولادت ہوئی۔اللہ تعالیٰ نومولودہ کو نیک صالح اور والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں اور صحت وسلامتی عطا فرمائیں۔

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم و مفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

13 ستمبر 2008ء بمطابق 12 رمضان المبارک 1429ھ: پاکستان: شمالی وزیرستان امریکی میزائل حملے میں 12 نمازی شہید باجوڑ میں 32 عسکریت پسند، ایک میجر اور 2 سیکورٹی اہلکار جاں بحق ۔ پاکستان: دوروزہ کورکمانڈر کانفرنس ختم فوج کا جمہوری حکومت کے ساتھ مل کر ملکی سالمیت کے لئے کام کرنے کا اعلان **14 ستمبر**: پاکستان: نئی دہلی میں 7 بم دھماکے، 20 افراد ہلاک 90 زخمی ۔ اس طرح کے حالات پر بعض حلقوں کی طرف سے یہ خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ پاک بھارت دونوں میں امن وامان (Law and Order) کے مسائل پیدا کر کے کوئی تیسری قوت اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہو **15 ستمبر**: پاکستان: پاکستان کی سالمیت وخودمختاری ہر قیمت پر یقینی بنائیں گے، صدر، وزیرِاعظم **16 ستمبر**: پاکستان: جنوبی وزیرستان، پاک فوج نے نیٹو وامریکہ کا زمینی حملہ پسپا کردیا ۔ پاکستان: پٹرول 5.77 روپے فی لیٹر سستا، ڈیزل اور مٹی کا تیل ساڑھے تین روپے فی لیٹر مہنگا ۔ پاکستان: جنوبی وزیرستان پاک فوج نے نیٹو وامریکہ کا زمینی حملہ پسپا کردیا ۔ امریکہ میں شدید مالی بحران چوتھے بڑے سرمایہ کارادارے لیہمن کے دیوالیہ ہونے کا خدشہ **17 ستمبر**: پاکستان: سرحدی خلاف ورزی کے خلاف مسلح افواج کو جوابی کارروائی کا حکم ۔ پاکستان: امریکہ پاکستان کو نیوکلیئر طاقت سے محروم کرنا چاہتا ہے، حمید گل **18 ستمبر**: پاکستان: معاملات حل کرنے کے لئے مل کر کام کررہے ہیں، پاکستان کی خودمختاری کا احترام کریں گے، مائیکل مولن ۔ پاکستان: مائیکل مولن کی یقین دہانی کے باوجود جنوبی وزیرستان پر امریکی حملے میں 7 شہید 6 زخمی **19 ستمبر**: پاکستان: سوات میں آپریشن 75 عسکریت پسند جاں بحق، وزیرستان پر امریکی جاسوس طیاروں کی پروازیں قبائلیوں نے فائر کر کے بھگادیا **20 ستمبر**: پاکستان: امریکی حملے برداشت نہیں کریں گے، صدر وزیرِاعظم اور آرمی چیف میں اتفاق ۔ پاکستان: پرویز مشرف اور امریکہ کے خفیہ معاہدے منظرِ عام پر لائے جائیں، نواز شریف **21 ستمبر**: پاکستان: اسلام آباد میریٹ ہوٹل پر خودکش حملہ 60 جاں بحق 200 سے زائد زخمی ۔ پاکستان: دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متعلق پالیسی پارلیمنٹ میں بنی چاہئے، نواز شریف **22 ستمبر**: افغانستان: پکتیا، نیٹو کانوائے پر طالبان کا حملہ 11 فوجی ہلاک، 3 ٹینک اور 3 گاڑیاں تباہ **23 ستمبر**: پاکستان: پاکستان کے لئے افغانستان کے نامزد سفیر پشاور سے اغواء واقعہ قابل مذمت ہے، جلد بازیابی کے لئے کوشاں ہیں، پاکستان ۔ پاکستان: لورہ سے راولپنڈی آنے والی کوسٹر سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں جاگری 14 مسافر جاں بحق **24 ستمبر**: پاکستان: انگور اڈہ، سیکورٹی فورسز اور مقامی قبائل کی مشترکہ کارروائی

Idara Ghufran

،امریکی جاسوس طیارہ مار گرایا۔ پاکستان: سرحد پار سے امریکی حملے میریٹ ہوٹل دھماکے کا سبب بنے، برطانیہ میں متعین پاکستانی سفیر واجد شمس الحسن ☜ **25 ستمبر**: پاکستان: عوام اور صوبے کی ترقی وخوشحالی میرا مشن ہے، وزیرِ اعلیٰ پنجاب شہباز شریف۔ جناب شہباز شریف کے بعض امور کے بارے میں خوش آئند اقدامات خاص طور پر رمضان المبارک میں ارزاں نرخوں پر آٹے کی فراہمی وغیرہ سے اس دعوے کی تصدیق اور عوام میں ان کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ☜ **26 ستمبر**: پاکستان: مشرف دور میں برطرف کئے گئے پی آئی اے کے 500 ملازمین بحال بعض عوامی حلقوں کا خیال ہے کہ ان میں سے بعض ملازمین ایسے بھی تھے جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ باریش تھے یا دینی ذہن رکھتے تھے ☜ **27 ستمبر**: پاکستان: فیصل مسجد میں نمازِ تراویح کے دوران بم کی اطلاع مرکزی ہال کی چیکنگ کے بعد کلیرنس۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے محتاط رہیں تو سانحات سے (بڑی حد تک) بچاؤ ممکن ہے، وزیراعظم ☜ **28 ستمبر**: پاکستان: دھمکی آمیز فون کی اطلاع، لاہور ائیر پورٹ خالی کرالیا گیا، بم ڈسپوزل عملے نے 2 گھنٹے کی تلاشی کے بعد محفوظ قرار دیا (تخریب کاری کے خطرات کے ساتھ ساتھ مختلف افواہوں کا یہ سلسلہ بھی طویل ہوتا جارہا ہے، اس کے سد باب کے لئے بھی کڑے اقدامات کی ضرورت ہے ورنہ آئے دن کوئی نہ کوئی اس طرح کی جھوٹی افواہوں سے خوف وہراس پھیلا کر ملکی نظام کو درہم برہم کرتا رہے گا) ☜ **29 ستمبر**: افغانستان: پکتیا آرمی کیمپ میں افغان فوجی کی فائرنگ، 12 امریکی ہلاک، سپین بولدک میں خودکش حملہ 9 پولیس اہلکار ہلاک ☜ **30 ستمبر**: پاکستان: مظفر گڑھ بس اور ٹینکر میں تصادم 50 مسافر زندہ جل گئے، حادثہ تیز رفتاری کے باعث پیش آیا۔ پاکستان: ڈی جی آئی ایس آئی اور 4 کور کمانڈرز تبدیل سات میجر جنرلز کی لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی۔ وائس آف امریکہ کے ایک تجزیئے کے مطابق نئے ڈی جی احمد شجاع کو آئی ایس آئی سے دینی ذہن رکھنے والے افراد سے پاک کرنے کا منصوبہ سونپا گیا ہے ☜ **یکم اکتوبر 2008ء بروز بدھ وعید الفطر 1429ھ**: پاکستان: شوال کا چاند نظر آ گیا ملک بھر میں آج عید الفطر مذہبی عقیدت واحترام سے منائی جائے گی۔ ،رات گئے چاند کے اعلان پر بعض لوگوں میں چہ میگوئیاں، جبکہ مستند علماء کا کمیٹی کے فیصلے پر اظہارِ اطمینان ☜ **4،3،2 / اکتوبر**: پاکستان: ولی باغ اسفند یار ولی پر خودکش حملے میں ان کے ذاتی گارڈ سمیت کئی ہلاک۔ پاکستان: رمضان پیکج ختم 20 کلو آٹے کے تھیلے کی قیمت 420 روپے مقرر ☜ **5 / اکتوبر**: پاکستان: موٹر سائیکل استعمال کرنے والوں کو پٹرول پر سبسڈی فراہم کرنے کے لئے طریقہ کار طے، 20 روپے ماہانہ فی لیٹر تلافی دی جائے گی ☜ **6 / اکتوبر**: لندن: طالبان سے ڈیل کے لئے تیار رہنا ہوگا، افغانستان میں فیصلہ کن فتح ممکن نہیں، برطانیہ ☜ **7 / اکتوبر**: پاکستان: ایم این اے، رشید نوانی کے ڈیرے پر بھکر میں خودکش حملہ، 26 افراد جاں

بحق، رشید نوانی کا تعلق شیعہ گھرانے سے ہے، اور یہ حملہ شیعہ سنی فسادات کو بھڑکانے کی ایک سازش ہوسکتی ہے، صدیق الفاروق سینئر رہنما، پاکستان مسلم لیگ ن کا غیر ملکی ذرائع ابلاغ سے گفتگو میں اظہارِ خیال ﷺ **8/اکتوبر**: پاکستان: طارق محمود چیئرمین سی ڈی اے تعینات، کامران لاشاری چیف کمشنر بن گئے ۔ بعض خیر خواہوں نے نئے چیرمین کو اس بات کا مشورہ دیا ہے، کہ گزشتہ دور حکومت میں وفاقی دارالحکومت کے لئے کئی تعمیراتی منصوبوں کا اعلان کیا گیا تھا، ان میں سے بعض تو زیر تکمیل ہیں، جب کہ بعض منصوبوں پر عمل درآمد ابھی باقی ہے، لیکن جس وقت ان منصوبوں کا اعلان کیا گیا تھا اس وقت ملکی خزانے کی صورت حال کافی بہتر تھی، مگر اب حالت دگرگوں ہے، اس لئے کسی منصوبے پر عمل درآمد شروع کرنے سے پہلے اس پر آنے والی لاگت کا اندازہ بھی کر لیا جائے تو بہت بہتر ہوگا، بصورتِ دیگر کہیں ایسا نہ ہو کہ وفاقی دارالحکومت کو ادھیڑ کر رکھ دیا جائے، اور ملکی خزانے میں اتنی گنجائش نہ ہونے کی صورت میں یہ عوام وخواص کے لئے پریشانی کا باعث ہو ﷺ **9/اکتوبر**: پاکستان: پارلیمنٹ کا خصوصی ان کیمرہ اجلاس، قبائلی علاقوں میں آپریشن امن وامان کی صورت حال پر بریفنگ، آج سوال وجواب کا سیشن ہوگا ﷺ **10/اکتوبر**: پاکستان: علمائے کرام نے ملک میں امن وامان کے حوالے سے تجاویز پیش کردیں ﷺ **11/اکتوبر**: پاکستان: اورکزئی ایجنسی طالبان مخالف جرگے پر خودکش حملہ 45 جاں بحق، باجوڑ امن لشکر کے 4 ارکان قتل ﷺ **12/اکتوبر**: پاکستان: صرف زبان سے کلمہ ادا کر لینا کافی نہیں، اللہ کو اس کی صفات کے مطابق ماننے سے ہی کامیابی ممکن ہے، رائے ونڈ اجتماع سے علماء کا خطاب ﷺ **13/اکتوبر**: پاکستان: داخلی وخارجی معاملات پر تحفظات ہیں، ان کیمرہ بریفنگ تسلی بخش نہیں، نواز شریف ﷺ **14/اکتوبر**: پاکستان: دہشت گردی کے خلاف جنگ پرویز مشرف سے بہت سی وضاحتیں طلب کریں گے، ترجمان پیپلز پارٹی ﷺ **16/اکتوبر**: پاکستان: صدر زرداری کے چار روزہ چینی دورے کے دوران چینی ہم منصب سے ملاقات، پاکستان اور چین کے درمیان 11 سمجھوتوں پر دستخط ۔ سیاسی وعوامی حلقے چین کے ساتھ مضبوط تعلقات کے خواہاں ہیں کیونکہ چین نے ماضی میں بھی پاکستان کو خود کفیل بنانے کی کوشش کی جبکہ مغرب نے ہمیشہ پاکستان کو اپنی مصنوعات کی کھپت کی ایک منڈی کے طور پر تو استعمال کیا لیکن ایسے اقدامات نہیں کیے جن سے ملک خود کفیل ہو ﷺ **17/اکتوبر**: پاکستان: جنوبی وزیرستان، امریکی میزائل حملے میں 6 افراد شہید، 5 زخمی ﷺ **18/اکتوبر**: پاکستان: سیکورٹی فورسز نے ایک مغوی چینی انجینئر بازیاب کرالیا، باجوڑ میں 10 طالبان، کبل میں 3 شہری جاں بحق بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ پاک چین تعلقات کو خراب اور ایک دوسرے پر بڑھتے ہوئے اعتماد کو ختم کرنے کے لئے بعض غیر ملکی لابیاں مختلف ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں، ان میں چینی انجینئروں کا اغواء اور قتل شامل ہیں۔

By Maulana Ibrahim Salehji Slection Abrar Hussain Satti

Some Social Etiquette

(1st Part)

It is reported that when Rasusullah (sallallahu alaihi wasallam) sneezed, he covered his nose and mouth with his hand or a cloth so that the sound will not cause any disturbance to others. Similarly, Miqdaad bin Aswad (radhialla anhu anhu) narrates that once together with a group of people he was a guest at the house of Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam). After Esha they would retire early to bed while Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) would only come much later. Upon entering the room he would make Salaam, but only so loudly that the one who is awake would hear it while the one who is asleep would not be disturbed. The extreme care of Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) in this regard is evident. However, do we give it the same amount of importance?

The social etiquette in Deen encompasses many aspects. It includes the etiquette of sitting in a gathering; of visiting the sick and consoling the bereaved; of rendering services to others; the manner of eating, drinking and sleeping; the etiquette of making a request and of writing a letter, andy many more. It is extremely important to learn these etiquette and practice upon them.

(With gratitude to monthly al Noor Bandipura Kashmir)

We look in our country misadministration in our traffic system, particularly in urban areas. That's why it became most difficult to travel. There are so many causes of it some are as under:
It is no doubt that the population is increasing rapidly. It is great rush on the traveling places and in vehicles etc. The travelers cannot find the clear way. That's why in short way it is used a lot of time. But except this the public and the administrative bodies are also responsible in this issue due to their misadministration.
So the government is not making vast roads with planning according to need. And she is not providing the sufficient places for parking. May they excuse of shortage of funds at this time.
But such necessities can be fulfilled by avoiding from extra wastage of money in luxuries and in unnecessary protocol of the rulers. The most of our assets are wasted like water in unnecessary functions, which are not

only needless for our country but these things are also not lawful in Islamic Sharia.

(……...Continued)